رفاہ عامہ کی تقسیم میں عدالت علویؑ کی ایک جھلک

ڈاکٹر غلام مرتضی انصاری[1]

خلاصہ

عدل و انصاف ایک ایسی صفت ہے جس کے قیام کے لئے خالق کائنات نے اتنے انبیاء مبعوث کئےاور ان میں سے ہر ایک نے اس بات پر توجہ دیں، اور ان کے حقیقی جانشین اور وصی برحق نے بھی بڑے آب و تاب کے ساتھ اسی عدالت کے قیام کے لئے اپنے خون کاآخری قطرہ تک بہایااور دنیا والوں کے لئے نمونہ عمل پیش کرکے بتاگئے حکمرانو! تمہاری یہ حکومت علیؑ کے نزدیک اس پھٹے پرانے جوتے کی بھی حیثیت نہیں رکھتی، مگر یہ کہ اس کے ذریعہ ظلم وجور کا خاتمہ کرکے عدالت قائم کرسکے۔یہ منصب اور تخت و تاج تمہارے ہاتھوں میں بھی خدا کی امانت اور عوام الناس میں عدالت قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔اسی اہمیت کے پیش نظر اس مقالہ میں رفاہ عامہ کی تقسیم میں عدالت علویؑ کی ایک مختصر جھلک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عالم بشریت، بالخصوص ذمہ دار افراد اور حکمرانوں کو نہج البلاغہ کے گوہر بار کلمات سے استفادہ کرتے ہوئے دعوت دینے کی کوشش کی گئی ہے۔اگر ہر ذمہ دار شخص اپنے اپنے رعایاکے درمیاں عدالت برقرار کرے تو نتیجتاہر معاشرہ اور سماج امن وامان اور خوشحالی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

کلیدی الفاظ: عدالت علوی، ناانصافی،بیت المال، قضاوت، رفاہ عامہ، حکمران۔

---

[1] ریسرچ اسکالر، فقہ وعلوم اسلامی، جامعہ المصطفیٰ العالمیہ، پاکستان

مقدمہ

عدالت کو سارے قوانین اور فیصلوں میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی عدالت کو سماج میں برقرار کرنے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے ہیں ۔تاریخ گواہ ہے کہ اکثر نبیوں نے اپنی جانیں عدالت و انصاف کی راہ میں قربان کی ہیں۔ کیونکہ الٰہی اور انسانی نگاہ میں مظلوم کا حق پایمال ہونے اور ضعیف لوگوں کے ساتھ ناانصافی ہونے سے زیادہ نفرت انگیز چیز کوئی نہیں ہے۔ اسی لئے بے عدالتی اور حقوق کے پایمال ہونے سے ہی دنیا میں دشمنیاں اور نفرتیں بڑھ جاتی ہیں جن کی وجہ سے قتل و غارت، جنگ و جدال وجود میں آتا ہے۔ تاریخ بشریت میں ازل سے ہی حق و باطل ، عدالت اور بے عدالتی ہمیشہ ساتھ ساتھ چلے آرہے ہیں۔ اولاد آدم میں سے ہابیل کے مقابلے میں قابیل، ابراہیم کے مقابلے میں نمرود، موسی کے مقابلے میں فرعون رعمسیس ، رسول خدا کے مقابلے میں ابو لہب اور ابو جہل، علی کے مقابلے میں معاویہ ، حسین کے مقابلے میں یزید، اور اب حسینیوں کے مقابلے میں یزیدی ہر مقام پر ضرور ملیں گے، کہ ائمہ ہدی کے مقابلے میں ائمہ کفر و ضلالت ہمیشہ سے برسرپیکار رہے ہیں، جس کے نتیجے میں اکثر بلکہ سارے ائمہ طاہرین یا زہر سے اور یا تلوار سے جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ ان تمام تاریخی پس منظر کی طرف اشارہ کرنا اس مختصر مقالہ میں ممکن نہیں ، اس لئے صرف عدالت امیر المومنینؑ کی ایک جھلک دکھا کر اسی کی سیرت طیبہ پر چلنے کی حکمرانوں اور معاشرے کے ذمہ دار افراد کو دعوت حق دینے کی جسارت کر رہا ہوں۔

اہداف

میرا اس موضوع کو انتخاب کرنے کا اصل سبب یہی تھا کہ اپنے سیاستدانوں کی توجہ اس بات کی طرف مبزول کرایا جائے کہ جس سیٹ اور منصب کو حاصل کرنے کے لئے لاکھوں روپے بطور رشوت خرچ کرتے ہیں، لوگوں کو ہزاروں قسم کے دھوکے، جھوٹے وعدے، اور فریب دے کر منتخب ہوتے ہیں، کیا کبھی سوچا بھی ہے کہ میں حقوق الناس کو اپنی گردن پر لینے کے لئے اتنی کوشش کر رہا ہوں؟ کم از کم ایک علاقہ کے غریب لوگوں کے حقوق کو پامال کرنے، اقرباء پروری اور پارٹی بازی کے ذریعہ لوگوں کے درمیاں نفرت پھیلانے اور ایک دوسرے رشتہ داروں کے درمیاں جدائی ڈالنے کا سبب تو نہیں بن رہا ہوں؟! اگر ہمارا سیاست کرنے کے نتائج یہی نکلتے ہوں اگرچہ زبان سے تو عدالت اجتماعی کا دم بھرتے بھی ہوں، تو ایسے سیاست دانوں کو اپنے اوپر فاتحہ پڑھنا چاہئے ، اور آخرت کے دردناک عذاب کے لئے تیار ہونا چاہئے۔ ہاں اگر سماج میں رفاہ عامہ اور بیت المال کی تقسیم میں عدالت سے کام لینے کے جذبہ سے سرشار ہوں تو ایسے سیاستدانوں کا سیاست میں آنا عبادت سے کم نہیں ہے؛ لیکن عموما ایسا نہیں ہوتا۔ ایسے سیاستدانوں کا انتخاب کرنے میں جاہل عوام کا سب سے بڑا ہاتھ ہے کہ سو روپے یا ایک ناسوار کی پوڑی کے عوض میں ووٹ دے

کر ان کو اپنے حقوق اور بیت المال پر قابض قرار دیتی ہیں۔ اور یہ خود غرض سیاست دان بھی اپنی جیب بھرنے اور اقرباء پروری کرنے، حقوق الناس کا بوجھ اور گناہ اٹھانے میں اپنی دور حکومت گزار دیتے ہیں۔

اس مختصر مقالہ میں اجتماعی اور سماجی عدالت کی اہمیت اور ضرورت کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کو اپنی ذمہ داری کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی گئ ہے، ان شاء اللہ حقیر کے لئے باعث ثواب اور آپ قارعین گرامی کے لئے مفید ثابت ہو۔

مفہوم شناسی

بیت المال کی تعریف

بیت المال سے مراد وہ مکان جہاں اسلامی حکومت اپنا خزانہ قرار دے کر اموال کو جمع کیا جاتا ہے جس میں سارے مسلمان برابر کے حصہ دار ہیں۔ اسی کو حکومت اسلامی کا خزانہ کہلاتا ہے۔ انہیں مصالح عام میں برابر تقسیم کرنا حکومت کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ہے۔

رفاہ عامہ کی تعریف

رفاہ عامہ سے مراد وہ مکانات اور وسائل جو سارے لوگوں کی ضروریات کو پوری کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں، جیسے ہسپتال، اسکول، کتاب خانے، پارک، روڈ، مسجدیں، امام بارگاہیں، نہریں وغیرہ۔

عدالت کی تعریف

لغوی تعریف

لغت میں عدالت سے مراد برابری یا استقامت یا دونوں مراد ہے۔ عدالت، وہ روحانی صفات جو تقواکے ساتھ ہو، جیساکہ قرآن کریم نے فرمایا: اعدلوا هو اقرب للتقوی۔ (سورہ مائدہ، آیہ ۷) عدل سے مراد برابری اور مساوات ہے۔

اصطلاحی تعریف

دینی اصطلاح میں عدالت، جو خدا کے بارے میں استعمال ہوا ہے وہی انسان کے بارے میں بھی استعمال ہوا ہے، فقط مصداق میں فرق ہے۔ شریعت کی زبان میں عدالت سے مراد، راہ حق میں سچائی اور ہوائے نفس پر عقل کو مقدم رکھنے کا نام ہے۔ اور مجتہدین کی اصطلاح میں عدالت سے مراد: گناہان کبیرہ سے اجتناب کرنے اور گناہان صغیرہ کا تکرار نہ کرنے کا نام ہے۔ ابن ابی الحدید کہتے ہیں: عدالت یعنی افراط و تفریط سے دوری کا نام ہے۔ (شرح نہج البلاغہ، ج ۱۸، ص ۲۱۶و۲۷۲) شیخ اعظم انصاری کہتے ہیں:

عدالت یعنی استقامت۔ مرحوم علامہ طباطبائی فرماتے ہیں: عدالت یعنی ہر چیز کو اپنا حق دینا۔ (مکاسب، رسالہ عدالت، ص ۳۲۶) شہید مطہری فرماتے ہیں: عدالت سے مراد ہر صاحب حق کو اس کا حق عطا کرنا۔ (مرتضی مطہری، بررسی مبانی اقتصادی اسلامی، ص۱۶)

فلاسفر، حکماء اور دانشمند حضرات کی نگاہ میں عدالت کی مختلف تعریفیں ملتی ہیں: ارسطو کہتے ہیں: عدالت کا ایک عام معنی ہے جس کے مطابق تمام فضائل کو کہا جاتا ہے، یعنی ساری فضیلت ہے نہ فضیلتوں کا ایک جزء۔ (امام خمینی، شرح حدیث جنود و عقل و جہل، ص ۱۵۱) اور عدالت اس سلسلہ کا نام ہے جو سماج اور معاشرہ میں موجود افراد کے درمیاں وحدت اور ہماہنگی کا باعث ہو۔ (جورج کلوسکو، تاریخ فلسفہ سیاسی، ج ۱، ص ۱۰۹۔)

البتہ یہ ساری تعریفیں امیر بیان مولا علیؑ کے کلام «اعطاء کل ذی حق حقه» (نہج البلاغہ، خطبہ ۳۷) سے ماخوذ ہے کہ دوسری جگہ فرماتے ہیں: افراط و تفریط سے اجتناب کرتے ہوئے میانہ روی اختیار کرنا اور حق دار کو اس کا حق دینے کا نام عدالت ہے۔ (توسعہ سیاسی از دیدگاہ امام علی (ع)، ص ۷۔) مہترین عدالت ہر چیز کا اپنی مناسب جگہ پر رکھنے کا نام ہے۔ جیسا کہ مولوی فرماتے ہیں:

عدل چہ بود؟ وضع اندر موضعش ظلم چہ بود؟ وضع در ناموضعش

عدل چہ بود؟ آب دہ اشجار را ظلم چہ بود؟ آب دادن خار را

شاعر کہتا ہے: عدل سے مراد ہر چیز کا اپنی مناسب جگہ پر رکھنا ہے اور ظلم اس کے بر عکس، اسی طرح عدل، درختوں کو پانی دینا اور ظلم سے مراد کانٹوں کو پانی دینا ہے۔

عدالت کی اہمیت

عدالت کی اتنی اہمیت کہ رسول خدا نے فرمایا: عَدلُ ساعَةٍ خَيرٌ مِن عِبادَةِ سِتّينَ سَنَةً قِيامِ لَيلِها و صِيامِ نَهارِها، و جَورُ ساعَةٍ في حُكمٍ أشَدُّ و أعظَمُ عِندَ اللّه ـ مِن مَعاصي سِتّينَ سَنَةً (جامع الأخبار: ۱۲۱۶/۴۳۵) ایک گھنٹہ کی عدالت ستر سال کی عبادت سے بھی زیادہ افضل ہے۔ اور جس معاشرے میں عدالت قائم ہو جائے، وہاں ساری خوبیان جمع ہو جاتی ہیں چنانچہ قابل ذکر ہے کہ مکتب اہل بیت کے فرامین کے مطابق اس صفت کو اصول دین میں شامل کیا گیا ہے، ورنہ اللہ تعالی کی ہزاروں صفات موجود ہے، ان میں سے صرف عدل والی صفت کو کیوں شامل کیا گیا؟ وجہ یہی ہے کہ اگر یہ صفت موجود ہو تو باقی ساری صفات خود بخود آ جاتی ہے، جیسے اگر اللہ نے تمام عالم کو خلق فرمایا تو عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ضروریات کی چیزیں بھی فراہم

کیا جائے، اگر انسان کو خلق کیا تو اس کا رزق کا بھی بندوبست کیا جائے۔اس لئے عدالت جہاں ہو تو وہاں باقی ساری خوبیاں میں موجود ہے۔بقول فارسی آنکہ صد آمد، نود ہم پیش ماست۔

عدالت کی قسمیں

عدالت کبھی اجتماعی ہے اور کبھی فردی۔ معاشرہ اور سماج جس وجہ سے زیادہ بیمار ہوتا ہے وہ عدالت اجتماعی کا فقدان ہے۔جس سے بچنے کے لئے مندرجہ ذیل افراد میں عدالت کا ملکہ ہونا ضروری ہے: حاکم، قاضی، سیاست دان۔

الف: حکمرانوں میں عدالت ہونا بہت ضروری ہے، کیونکہ مولا علیؑ کے فرمان کے مطابق عادل حکمران موسلادار بارش سے بھی زیادہ بابرکت ہے۔(جلوہ ہای حکمت، ص ۳۹۳، نقل از دستور معالم الحکم، ص ۱۷) اور عدالت حکمران کی فضیلت ہے۔(آمدی، عبدالواحد، غرر الحکم، ج ا، ص ۳۷، ح ۷۵۳)

ب: قاضی میں عدالت کا ملکہ ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ قرآن کریم کا حکم ہے: إِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يحُبُّ الْمُقْسِطِين۔(مائدہ/ ۴۲) اگر آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیں، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ج: سیاستدانوں میں عدالت کا ہونا بھی عدالت اجتماعی کا اہم حصہ ہے، کیونکہ ہمارا دین عین سیاست اور سیاست عین دین ہے جو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے اور دینی و سیاسی امور میں جب تک عدالت قائم نہ ہو اس وقت تک وہ الہی دین اور الہی سیاست نہیں ہو سکتے۔اس لئے امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: بہترین عدالت ہی بہترین سیاست ہے۔(جلوہ حکمت، ص ۳۹۵، نقل ہای از غرر الحکم، ج ا، ص ۳۴۸) (جلوہ حکمت، ص ۳۹۵، نقل ہای از غرر الحکم، ج ا، ص ۳۴۸)

عدالت انفرادی

عدالت فردی، یعنی انسان اپنی ذاتی امور میں عدالت کا خیال رکھے اسی طرح حرام کاموں ،گناہوں اور جرائم کا مرتکب نہ ہو۔ عدالت فردی کے بہت سارے مصادیق یہ ہیں، جیسے: امام جماعت کا عادل ہونا، یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور گناہان صغیرہ کا تکرار نہ ہو، ورنہ وہ امام جماعت نہیں بن سکتا۔اور جس امام جماعت کی عدالت جب تک محرز اور واضح نہ ہو، اس وقت تک اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔(بنی ہاشمی، سید محمد حسین، بارہ مراجع کا رسالہ، دفتر انتشارات اسلامی، ج ا) میاں بیوی کے درمیاں عدالت

کا ہونا،اس لئے قرآن کریم نے فرمایا: فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً۔(نساء ، ۳) اگر تمہیں خوف ہو کہ ان میں عدل نہ کرسکوگے تو ایک ہی عورت یا لونڈی جس کے تم مالک ہو کافی ہے۔

عدالت اجتماعی

پوری تاریخ بشریت میں ہر شخص خواہ وہ مومن ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت ، دانا ہو یا نادان، حتی خود ظالم اور ستمکار ہو یا مظلوم ،معاشرہ اور سماج میں عدالت کا اجراء اور ظلم کا خاتمہ چاہتا ہے۔ اجتماع یا سماج میں تعادل برقرار ہو تو وہ معاشرہ الٰہی معاشرہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ عدل تناسب اور توازن کے معنی میں بھی آیا ہے۔

نظام کائنات عدل پر استوار ہے یعنی عالم تکوینی کی ہر چیز میں عدل کا نظام قائم ہے۔ جیساکہ امیر المومنینؑ کا فرمان ہے: الْعَالَمُ حَدِيقَةٌ سَيَّاجُهَا الشَّرِيعَةُ وَ الشَّرِيعَةُ سُلْطَانٌ تَجِبُ لَهُ الطَّاعَةُ وَ الطَّاعَةُ سِيَاسَةٌ يَقُومُ بِهَا الْمَلِكُ وَ الْمَلِكُ رَاعٍ يَعْضُدُهُ الْجَيْشُ وَ الْجَيْشُ أَعْوَانٌ يَكْفُلُهُمُ الْمَالُ وَ الْمَالُ رِزْقٌ يَجْمَعُهُ الرَّعِيَّةُ وَ الرَّعِيَّةُ سَوَادٌ يَسْتَعْبِدُهُمُ الْعَدْلُ وَ الْعَدْلُ أَسَاسٌ بِهِ قِوَامُ الْعَالَمِ۔(مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۸۳) دنیا ایک باغ ہے شریعت جس کا سیر کرنے والی اور بادشاہ ہے جس کی اطاعت واجب ہے اور اطاعت، سیاست ہے اور سیاست کے ذریعہ بادشاہ یا حاکم بنتا ہے اور حاکم کے لئے رعیت کی ضرورت ہے جو اس کے لشکر کے مددگار ہیں، لشکر کو سرمایہ کی ضرورت ہے اور سرمایہ رزق ہے جسے عوام جمع کرتے ہیں اور عوام کی تعداد زیادہ ہے، جن کو عدل بندگی کی طرف بلاتا ہے اور عدل ایک ایسی بنیاد ہے جس پر کائنات کھڑی ہے۔ اس لئے اس کائنات میں کوئی بھی چیز نا منظّم ،بے ہودہ اور بے کار خلق نہیں فرمایا،اس لئے مٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرات سے لے کر بڑے بڑے پہاڑ، سمندر، سیارے اور کہکشانوں تک عدالت کی وجہ سے اپنے اپنے مدار میں گوم رہے ہیں۔

قرآن کریم، عدالت کو سماج اور اجتماع کی بے بدیل اصل قرار دیتے ہوئے کہتا ہے: يَادَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ۔(ص/۲۶) اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے لہٰذا لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کریں ۔ یہاں تک کہ دشمن کے ساتھ بھی عدالت کے ساتھ رفتار کرنا ضروری ہے۔ يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامينَ لِلَّهِ شُهَداءَ بِالْقِسْطِ وَ لا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلى أَلاَّ تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوى۔(مائدہ/۸) اے ایمان والو! اللہ کے لیے بھرپور قیام کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہاری بے انصافی کا سبب نہ بنے، (ہر حال میں) عدل کرو! یہی تقویٰ کے قریب ترین ہے۔

اسی لئے انبیاء الٰہی کا اہم ترین ہدف معاشرہ میں زندگی کے ہر شعبہ میں عدالت برپا کرنا تھا، جیسا کہ ارشاد ہوا: بتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا ہے تاکہ لوگ عدل قائم کریں۔ (حدید/۲۵) رسول خداؐ نے بھی اس عرب جاہل معاشرہ میں موجود تمام غلط رسومات کو ختم کرکے عدالت کے ساتھ اپنا معاملہ شروع کیا۔

عدالت ،احسان سے بھی افضل

وَ سُئِلَ ع أَيُّمَا [أَيُّهُمَا] أَفْضَلُ الْعَدْلُ أَوِ الْجُودُ فَقَالَ الْعَدْلُ يَضَعُ الْأُمُورَ مَوَاضِعَهَا وَ الْجُودُ يُخْرِجُهَا مِنْ جِهَتِهَا وَ الْعَدْلُ سَائِسٌ عَامٌّ وَ الْجُودُ عَارِضٌ خَاصٌّ فَالْعَدْلُ أَشْرَفُهُمَا وَ أَفْضَلُهُمَا۔ (ابن ابی الحدید، عبد الحمید بن ہبہ اللہ، شرح نہج البلاغۃ، ج ۲۰؛ ص ۸۵ ، ۱۴۰۴ق) اور جب امیر المومنینؑ سے سوال ہوا کہ عدل و انصاف بہتر ہے یا جود و سخا؟ تو فرمایا: عدل افضل ہے کیونکہ عدل ہر چیز کو اپنی مناسب جگہ پر رکھتا ہے لیکن سخاوت، ہر چیز کو اس کی جگہ سے نکال لیتی ہے۔اور عدل اصل ہے، سخاوت فرع ہے، پس عدل اشرف اور افضل ہے۔ عدل و احسان میں فرق یہ ہے کہ عَدل جزا اور سزا دینے میں مساوات کا نام ہے لیکن احسان جزا دینے میں زیادہ روی کا نام ہے۔ (لسان العرب، ج ا، ص ۴۳۶؛ راغب، مفردات ترجمہ و تحقیق غلامرضا خسروی حسینی، ج ۲، ص ۵۶۵)

عدالت اقتصادی

عدالت اقتصادی سے مراد یہ ہے "ساری عوام میں بلا تفریق سارے امکانات اور سرمایہ کی تقسیم میں اپنی اپنی استعداد اور حیثیت کے مطابق مساوات اور برابری کا رویہ اپنانا ہے۔ (مہدی بناء رضوی، طرح تحلیلی اقتصاد اسلامی، ص ۱۲۸)

یہی وجہ ہے اسلام میں اقتصادی نظام میں طبیعی منابع اور اموال عمومی کی تقسیم میں عدالت کے لئے ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ تاکہ سماج میں طبقاتی نظام پیدا نہ ہو، اس لئے شہید باقرالصدر فرماتے ہیں: اسلام میں محصولات کی تولید سے پہلے اس کی توزیع کی بحث ضروری ہے۔ (لسان العرب، ج ا، ص ۴۳۶؛ راغب، مفردات ترجمہ و تحقیق غلامرضا خسروی حسینی، ج ۲، ص ۵۶۵) جس کے لئے اسلام نے خمس و زکات، صدقہ اور خیرات کا نظام بنایا، جس میں قصد قربت کو بھی ضروری قرار دیا گیا۔

انّ اللّٰہ یأمر بالعدل و الاحسان و ایتاء ذی القربی و ینھی عن الفحشاء والمنکرو البغی (نحل/۹۰) اس آیہ شریفہ میں عدل سے مراد عدالت اجتماعی ہے جس کے قیام کے لئے اللہ کی طرف سے لوگوں کو مامور کیا گیا ہے اور صرف عدالت کو کافی نہیں سمجھا بلکہ احسان اور بخشش کا بھی حکم دیا، کیونکہ سماج ایثار اور فداکاری کا بھی محتاج ہوتا ہے۔ (تفسیر نمونہ، ج ۱۱، ص ۳۶۷) کیونکہ

عدالت کی شدت اور سختی، احسان اور جان نثاری اور نرمی کے ذریعہ جبران ہوتا ہے۔امام خمینی فرماتے ہیں: خود اقتصاد، اصلی ہدف نہیں بلکہ یہ معاشرہ اور جامعہ میں بیت المال کی عادلانہ تقسیم اور توزیع کے لئے ایک وسیلہ ہے۔(صحیفہ امام، ج١١، ص: ٢٩٢) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے، جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا تولتے ہیں، اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔ (سورہ مطففین، ١-٣) یہ آیہ شریفہ عدالت اقتصادی پر واضح دلالت کر رہی ہے۔بہت سی آیتوں میں عدل و احسان کا حکم آیا ہے جن میں سے ایک سورہ نساء/١٣٥ ہے: یا ایھاالذین آمنوا کونوا قوّامین بالقسط شھداء للّٰہ۔(نساء/١٣٥) دنیا کا سارا نظام اپنا اقتصادی ہدف کو عدالت قرار دیتے ہیں لیکن اس کی تفسیر میں اختلاف کا شکار ہوتے ہیں، اس لئے اسلام کی نگاہ میں عدالت اقتصادی کے دو عناصر کا تعین کرنا ضروری ہے: عوام کو ہر قسم کی سہولیات فراہم کرنا اور مال وثروت کو عدالت کے ساتھ تقسیم کرنا۔(سید محمد باقر صدر، اقتصادنا، ص ٣٠٣۔)

الف: عمومی سہولیات

پہلا عنصر عمومی سہولیات کہلاتا ہے، اسلامی معاشرہ میں معاشی حالت کچھ ایسی ہونی چاہیئے کہ سارے لوگوں کے لئے زندگی کے مختلف شعبوں جیسے صحت، دوائیاں، غذا، تعلیم وتربیت، روٹی، کپڑا اور مکان کی سہولیات فراہم ہوں، اور فقر جو کہ ساری بدبختیوں اور مشکلات کا باعث ہے، سے چھوٹ ملے، جیساکہ لقمان حکیم فرماتے ہیں: ذُقْتُ الْمَرَارَاتِ كُلَّهَا فَلَمْ أَذُقْ شَيْئاً أَمَرَّ مِنَ الْفَقْرِ۔(الأمالي (للصدوق)؛النص؛ص٦٦٩) ساری کڑوی چیزوں کو میں نے چکھا ہے لیکن فقر سے زیادہ کڑوی کوئی چیز نہیں تھی ۔امام صادقؑ نے ابراہیم خلیلؑ سے نقل کی ہے: اے میرے اللہ! فقر، آتش نمرود سے بھی زیادہ سخت ہے۔پیامبر اسلام (ص) نے فرمایا: اربعة قليلها كثيرٌ: الفقر والوجع، والعداوة والنار۔(ہمان، ص ٢٨٢) چار چیزیں ایسی ہیں جو جتنا کم ہی کیوں نہ ہوں، پھر بھی بہت زیادہ ہے، وہ فقر، درد، دشمنی اور آگ ہیں۔امام علی (ع) نے فرمایا: اگر فقر آدمی کی شکل میں میرے سامنے آتا تو میں اسے قتل کر دیتا۔قرآن کریم نے بھی اسی اجتماعی فقر کو ختم کرنے کے لئے صدقات اور خیرات دینے کا حکم دیا۔ انماالصدقات للفقراء والمساکین۔(نظامہای اقتصادی، ص ٢٣٧۔) پیامبر اکرم (ص) نے فرمایا: جو شخص غنی ہونا چاہتا ہے، اسے چاہئے کہ اللہ کے ہاتھ میں موجود چیزوں پر، لوگوں کے ہاتھوں میں موجود چیزوں سے زیادہ اعتماد کرے۔ عَنْ جَابِرٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ ع قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ص مَنْ أَرَادَ أَنْ يَكُونَ أَغْنَى النَّاسِ فَلْيَكُنْ بِمَا فِي يَدِ اللَّهِ أَوْثَقَ مِنْهُ بِمَا فِي يَدِ غَيْرِهِ۔(وسائل الشيعة؛ ج٢١؛ ص٥٣١)

ب: تقسیم اموال میں عدالت

دوسرا عنصر اقتصادی اسلام کی نگاہ میں تقسیم اموال میں عدالت برقرار کرنا ہے۔ (اقتصادنا، ص ۳۰۳) کہ لوگوں کے درمیاں برابری کے ساتھ تقسیم کی جائے، اگرچہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہر معاشرے کا ایک ایک فرد مختلف قسم کی خصوصیات جیسے صبر، شجاعت، ہمت، ذہین، جسمانی طاقت، اور صلاحیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں، جنہیں قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی حکمت اور تدبیر کی نشانیوں کے طور پر معرفی کر رہا ہے۔ (المیزان، ج ۲۰، ص ۱۰۴-۱۰۲)

کیونکہ یہی اختلافات سبب بنتی ہے کہ معاشرہ، وطن اور ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔ (عبداللّٰہ جوادی آملی، فلسفہ حقوق بشر، ص ۲۱۹؛ اقتصادنا، ص ۷۰۷.) لیکن اسلام کہتا ہے کہ ان اختلافات کے باوجود، لوگوں کے درمیاں ثروت اور دولت کی تقسیم میں بہت زیادہ فرق نہیں ہونا چاہئے۔ یعنی عدالت اقتصادی سماج میں برقرار ہو جائے۔ ورنہ مال کی فراوانی لوگوں کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتی ہے۔ (ہمان، ج ۲۰، ص ۴۹۶،۴۹۵) اور دنیا میں مال اندوزی کی خاطر مالیات وغیرہ ادا نہیں کرتے، معاشرہ میں امر بہ معروف اور نہی از منکر ختم ہو جاتا ہے، فقیروں میں غربت اور افلاس کا زیادہ احساس ہونے لگتا ہے اور غنی لوگ مستی اور غرور کا شکار ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے فقیر لوگ چوری، ڈکیتی اور غیر قانونی کام کرنے لگتے ہیں۔ (فرامرز رفیع پور، توسعہ و تضاد، ص ۲۸۳)

جبکہ اسلام چاہتا ہے کہ امیر لوگوں سے غریبوں کا حق وصول کرکے حقداروں تک پہنچایا جائے۔ اس لئے قرآن کریم فرما رہا ہے: وَ الَّذينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لا يُنْفِقُونَها في سَبيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذابٍ أَليمٍ. (توبہ/۳۴)

اور جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔

امام رضا (ع) نے زکات واجب کرنے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: أَنَّ عِلَّةَ الزَّكَاةِ مِنْ أَجْلِ قُوتِ الْفُقَرَاءِ وَ تَحْصِينِ أَمْوَالِ الْأَغْنِيَاءِ۔ (شیخ صدوق، علل الشرایع، ص ۳۶۹۔ من لایحضرہ الفقیہ؛ ج ۲؛ ص ۸) زکات اس لئے واجب قرار دیا تاکہ فقیروں کے لئے کھانے پینے کا بندوبست ہو اور مالداروں کا سرمایہ محدود ہو۔ پس فقیروں کا حق امیروں کی گردن پر ہے اور جو بھی یہ حق ادا نہیں کرتا وہ چور ہے۔ (مستدرک الوسائل، ج ۱۱، ص ۳۸۰) قَالَ الصَّادِقُ ع إِنَّمَا وُضِعَتِ الزَّكَاةُ اخْتِبَاراً لِلْأَغْنِيَاءِ وَ مَعُونَةً لِلْفُقَرَاءِ وَ لَوْ أَنَّ النَّاسَ أَدَّوْا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ مَا بَقِيَ مُسْلِمٌ فَقِيراً مُحْتَاجاً وَ لَاسْتَغْنَى بِمَا فَرَضَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ لَهُ وَ إِنَّ النَّاسَ مَا افْتَقَرُوا وَ لَا احْتَاجُوا وَ لَا جَاعُوا وَ لَا عَرُوا إِلَّا بِذُنُوبِ الْأَغْنِيَاءِ۔ (روضۃ المتقین فی شرح من لایحضرہ الفقیہ (ط- القدیمۃ)؛

ج۳؛ ص۱۰) امام صادقؑ نے فرمایا: زکات کو امیروں کے اختیار میں رکھا تاکہ غریبوں کی مدد کریں، اور اگر لوگ اپنے اموال کا زکات نکالیں تو مسلمانوں میں کوئی ایک بھی غریب اور محتاج نہیں رہے گا، اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا معین کیا ہوا حق دے دیا جائے تو وہ پھر محتاج نہیں رہے گا، اور اس میں کوئی شک نہیں، کہ کوئی بھی شخص فقیر امیروں کے گناہ کی وجہ سے، محتاج، بھوکا، ننگا، رہے گا۔ درحقیقت معاشرے میں غربت مالداروں کے گناہوں کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

اس لئے قیامت کے دن ان سے حساب لیا جائے گا۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۳۲۰) اللہ نے امیروں اور غریبوں کو مال دولت میں شریک قرار دیا ہے پس ان مالداروں کو حق نہیں پہنچتا کہ اپنے شریک کے بغیر اموال میں تصرف کرے۔عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع قَالَ: إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى أَشْرَكَ بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ وَ الْفُقَرَاءِ فِي الْأَمْوَالِ فَلَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَصْرِفُوا إِلَى غَيْرِ شُرَكَائِهِمْ۔(الکافی (ط - الإسلامیۃ)؛ ج۳؛ ص۵۴۵) اسی لئے اسلام نے سماج میں غریبوں اور امیروں کے درمیاں تعادل برقرار کرنے کے لئے خمس، زکات، مالیات و غیرہ کا نظام رکھا تاکہ محرومیت اور فقر معاشرہ میں باقی نہ رہے۔اس سلسلہ میں امام خمینی رہ فرماتے ہیں: اسلام مالکیت کا کچھ شرائط کے ساتھ قائل ہے جن کے ذریعہ معاشرے کے مختلف لوگوں کی زندگی میں عدالت برقرار کر سکے۔ (درجست وجوی راہ از کلام امام، دفتر اول، ص۲۱)

پس اس سے معلوم ہوا عدالت اقتصادی کا معاشرہ میں پیدا کرنہ سکنا، اسلامی قوانین کے نہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ ان قوانین پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔اسی طرح معاشرے میں بعض لوگوں کا محروم یا مفلس ہونا، اللہ کی مشیت یا ارادۂ الٰہی کی وجہ سے نہیں بلکہ مالداروں کے ظلم اور ناانصافیوں کی وجہ سے ہے۔اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات رسول خداؐ سے کہا: مالداروں سے دوری اختیار کرو اور ان کے نزدیک بیٹھنے سے پرہیز کرو۔ (دیلمی، ارشاد القلوب، ص۲۰۱) یہی وجہ تھی رسول خداؐ اور امیر المومنینؑ نے اپنی پوری زندگی غریب ترین اور فقیر ترین لوگوں کی مانند گزاریں۔ (صحیفہ نور، ج۲۰، ص۲۴۴)

ج: غارت شدہ اموال کا واپس لوٹانا

حکومت یا مسئولین کی بے عدالتی اور ناانصافی کی وجہ سے بیت المال میں سے جتنے بھی مال و دولت یا املاک غارت کر چکے ہیں ان سب کو بیت المال کے خزانے میں واپس کرنا چاہئے کیونکہ یہ لوگوں سے متعلق ہیں۔یہی وجہ تھی امام علیؑ نے اپنے دور خلافت کے اوائل میں ہی اعلان فرمایا: وَ اللَّهِ لَوْ وَجَدْتُهُ قَدْ تُزُوِّجَ بِهِ النِّسَاءُ وَ مُلِكَ بِهِ الْإِمَاءُ لَرَدَدْتُهُ فَإِنَّ فِي الْعَدْلِ سَعَةً وَ مَنْ ضَاقَ عَلَيْهِ الْعَدْلُ فَالْجَوْرُ عَلَيْهِ أَضْيَق۔(نہج البلاغۃ (للصبحی صالح)؛ ص۵۷) خدا کی قسم! کہ اگر بیت المال کے ذریعہ کوئی عورت رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئی ہو یا کوئی کنیز اور غلام خریدے گئے ہوں، تو ان سب کو فسخ کرکے اموال کو بیت المال میں پلٹا دوں گا،

کیونکہ آرام وسکون، عدالت میں ہے اور جو بھی عدالت کے اجراء کرنے سے تنگ آجائے تو ظلم و ستم تو اس کے لئے اس سے بھی زیادہ تنگ تر ہو جائے گا۔

د. تقسیم عادلانہ امکانات:

اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے اموال، معدنیات، کانیں، جنگلات، اور جتنے بھی مالی ذخیرے ہیں سب لوگوں کے درمیاں بطور مساوی اپنے اپنے استحقاق کے حساب سے تقسیم ہونی چاہیئے۔ پیغمبر اکرمؐ اور امیر المومنینؑ کی سیرت طیبہ میں بھی یہی درس ملتا ہے کہ بیت المال کو لوگوں میں مساوی تقسیم کرتے ہوئے فرماتے تھے: مجھے قرآن کریم میں اولاد اسماعیلؑ اور اولاد اسحٰقؑ کے درمیاں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ (وسائل الشیعہ، ج۱۱، ص۸۱) اور جب آپ پر اعتراض ہوتا تو فرماتے: اعطیتُ کماکان رسول اللّٰہ یُعطی بالسویة ولم اجعلها دولةً بین الاغنیاء۔ (کافی، ج۸، ص۶۰) میں نے پیغمبر اکرمؐ کی طرح برابر تقسیم کیا اور امیروں کے لئے کوئی الگ حصہ نہیں رکھا۔ امام صادق (ع) فرماتے ہیں: سُئِلَ عَنْ قَسْمِ بَيْتِ الْمَالِ فَقَالَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ هُمْ أَبْنَاءُ الْإِسْلَامِ۔۔۔عَلَى آخَرَ ضَعِيفٍ مَنْقُوصٍ۔ (تہذیب الأحکام؛ ج۶؛ ص۱۴۶)

جب امام سے بیت المال کی تقسیم کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: اسلام کے سارے پیروکار فرزندان اسلام ہیں ان کے درمیاں بیت المال کی تقسیم کرنے میں رعایت کرتا ہوں، اور جو لوگ فضل و کرامت والے ہیں، ان کا رابطہ خدا کے ساتھ مربوط ہے میں ان لوگوں کے ساتھ ایک ہی باپ کے متعدد بیٹوں کی طرح مساوی رفتار سے پیش آؤں گا۔ یعنی کسی کا معنوی فضائل کا حامل ہونا بیت المال میں سے زیادہ حصہ لینے کا مستحق نہیں ہو سکتا، کیونکہ بیت المال میں ہر ایک کا برابر حصہ ہے۔ دوران جاہلیت کے برخلاف اسلامی حکومت میں اس بیت المال کی تقسیم میں قوم قبیلہ، امیر و فقیر، مجاہدین و غیر مجاہدین، متقی اور غیر متقی، عالم و جاہل، قریشی و غیر قریشی، عربی و عجمی، سب یکساں ہیں کسی کو کسی پر کوئی بڑھائی اور فوقیت نہیں۔ معاشرہ میں سے ناانصافی کو ختم کرکے عدالت اجتماعی کا قائم کرنا ہر حاکم کی ذمہ داری ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ ص أَنَّهُ قَالَ: الْعَدْلُ مِيزَانُ الله فِي الْأَرْضِ فَمَنْ أَخَذَهُ قَادَهُ إِلَىالْجَنَّةِ وَ مَنْ تَرَكَهُ سَاقَهُ إِلَى النَّار ۔(مستدرک الوسائل، ۱۱/۳۱۷، باب وجوب العدل، ص: ۳۱۶)

راوی نقل کرتا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: عدالت اللہ کی طرف سے روئے زمین پر میزان اور ترازو ہے جس نے بھی عدالت کو اپنا پیشہ بنایا، اسے جنت تک پہنچایا اور جس نے اسے ترک کیا، اسے جہنم تک پہنچایا۔

وَ الله لَوْ أُعْطِيتُ الْأَقَالِيمَ السَّبْعَةَ بِمَا تَحْتَ أَفْلَاكِهَا۔۔ تَقْضَمُهَا مَا لِعَلِيٍّ وَ لِنَعِيمٍ يَفْنَى وَ لَذَّةٍ لَا تَبْقَى۔(بحارالانوار ۱۶۲،۱۴۱ باب ۱۰۷۔ جوامع مکارم اِخلاقہ وآدابہ نہج البلاغۃ (للصبحی صالح)؛ص ۳۴۷۔)

امیرالمؤمنینؑ نے فرمایا: خدا گواہ ہے کہ اگر مجھے ہفت اقلیم کی حکومت تمام زیرآسمان دولتوں کے ساتھ دے دی جائے اور مجھ سے یہ مطالبہ کیاجائے کہ میں کسی چیونٹی پر صرف اس قدر ظلم کروں کہ اس کے منہ سے اس چھلکے کو چھین لوں جو وہ چبارہی ہے تو ہرگزایسا نہیں کرسکتا ہوں۔یہ تمہاری دنیا میری نظر میں اس پتی سے زیادہ بے قیمت ہے جو کسی ٹڈی کے منہ میں ہواور وہ اسے چبارہی ہو۔ بھلا علی کو ان نعمتوں سے کیاواسطہ جو فنا ہو جانے والی ہیں اور اس لذت سے کیا تعلق جو باقی رہنے والی ہیں ہے۔ میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں عقل کے خواب غفلت میں پڑ جانے اور لغزشوں کی برائیوں سے اوراسی سے مدد کا طلب گار ہوں۔

علیؑ اور بیت المال کی تقسیم

امیرالمؤمنین (ع) نے اپنی چند سالہ حکومت کے دوران پوری کوشش کی کہ سماج سے فقر اور فاقہ کو ختم کیا جائے اور گذشتہ حکومتوں کے دوران جو طبقاتی نظام قائم ہوا تھا، جس کی وجہ سے لوگ ذلت اور خواری کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئے تھے، ان کو پھر سے باعزت زندگی دلانے کی دن رات کوشش فرماتے رہے۔یعنی امام چاہتے تھے جو رسول خداؐکے زمانے میں عدل اور مساوات قائم کرچکے تھے، اسے دوبارہ معاشرہ میں قائم کرے،اس راہ میں اعتراض کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: لَو قَدِ اسْتَوَت قَدَمایَ مِن هذِهِ المَدَاحِضِ لَغَيَّرْتُ أشياءَ۔(نہج البلاغہ، کلمات قصار ۲۷۲) اگر ان پھسلنے والی جگہوں پر میرے قدم جم گئے تو میں بہت سی چیزوں کو بدل دوں گا (جنہیں پیشرو خلفاء نے ایجاد کیا ہے اور جن کا سنت پیغمبراکرمؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے)

امام کا یہ فرمانا اسلامی معاشرہ میں مرسوم شدہ انحرافات پر سخت پریشانی اور افسوس پر دلالت کرتا ہے۔ عثمان کے زمانہ میں جب سعید بن عاص نے امام کا مسلمہ حق کو بیت المال سے اقتصادی محاصرہ کے غرض سے غصب کیا تو اس وقت فرمایا: اِنَّ بَنِی أُمَيّةَ لَيُفَوِّقُونَنى تُراثَ مُحمَّدٍ ۔۔۔نَفْضَ اللَّحَّامِ الوِذَامَ التَّرِبه۔(ہمان، خطبہ ۱۵) یہ بنی امیہ مجھے میراث پیغمبر (ص) کو بھی تھوڑا تھوڑا کرکے دے رہے ہیں حالانکہ اگر میں زندہ رہ گیا تو اس طرح جھاڑ کر پھینک دوں گا جس طرح قصاب گوشت کے ٹکڑے سے مٹی کو جھاڑ دیتا ہے۔

آپ کے دور حکومت میں بیت المال میں اموال بہت زیادہ تھا لیکن ان کی تقسیم میں مساوات کا برقرار کرنا بہت مشکل تھا کیونکہ خلفائے ثلاثہ کے دور حکومت میں اصل مساوات بالکل ختم ہو چکی تھی۔ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: جب خلیفہ دوم بر سر خلافت آیا تو قریش مہاجرین کو غیر قریش مہاجرین سے اور عرب کو عجم سے زیادہ دینے لگا۔ اس ناانصافی کا مقابلہ کرنا علیؑ کیلئے بہت سخت تھا کیونکہ یہ ناانصافی، دینی اور قانونی رنگ پکڑ چکی تھی۔ اس طرح خلیفہ سوم نے بھی اس سنت کو آب وتاب کے ساتھ جاری رکھتے ہوئے بیت المال کو اپنی ذاتی جاگیر کے طور پر خرچ کیا، چنانچہ اپنے بھائی ولید کو کوفہ کا حاکم بنا کر بھیجا اس وقت ابن مسعود بیت المال کا خازن تھا، سے قرض لیا اور واپس کرنے کا جب وقت آیا لیکن اس کے دینے کا ارادہ ہی نہیں تھا، ابن مسعود نے عثمان کو خط لکھا کہ آپ کا بھائی بیت المال واپس نہیں کر رہا، تو عثمان نے جواب دیا: "ابن مسعود! تو ہمارا خزانہ دار ہو جو ولید نے خزانے سے لیا ہے اس سے مطالبہ نہ کرو"

جب یہ خط ابن مسعود نے پڑھا تو سخت ناراض ہوا اور کہنے لگا: میں تو سوچ رہا تھا مسلمانوں کا خزانہ دار ہوں اب پتہ چلا تمہارا خزانہ دار تھا، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ (ہمان، خطبہ ۱۲۶) ثمان کا یہ کہنا ایک معمولی بات نہیں تھی بلکہ یہ خلیفہ وقت کا قول تھا۔ اگر یہی حال رہا تو بیت المال کی تقسیم، خلیفہ وقت کی ذاتی اغراض و مقاصد پر ہونا قانونی بنتا۔ لیکن اس کے مقابلے میں رفتار علوی کیسی تھی چناچہ اشعث بن قیس کو جو آذر بائیجان میں آپ کی طرف سے گورنر تھا، کو لکھتے ہیں: وَ إِنَ عَمَلَكَ لَيْسَ لَكَ بِطُعْمَةٍ --- وَ لَعَلِّي أَلَّا أَكُونَ شَرَّ وُلَاتِكَ لَكَ وَ السَّلَام۔ (شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید؛ ج ۱۴؛ ص ۳۳) آپ نے آذر بائیجان کے گورنر اشعث بن قیس کے نام لکھا: تمہارا منصب کوئی لذیذ لقمہ نہیں بلکہ تمہاری گردن پر امانت الٰہی ہے اور تم ایک عظیم ہستی کے زیر نگرانی، بیت المال کی حفاظت پر مامور ہو۔ تمہیں رعایا کے معاملہ میں اس طرح کے اقدام کا حق نہیں ہے اور خبر دار کسی مستحکم دلیل کے بغیر کسی بڑے کام میں ہاتھ مت ڈالنا۔ تمہارے ہاتھوں میں جو مال ہے۔ یہ بھی پروردگار کے اموال کا ایک حصہ ہے اور تم اس کے ذمہ دار ہو جب تک میرے حوالہ نہ کردو اور شائد اس نصیحت کی بنا پر، میں تمہارا برا امام نہ ہوگا۔ والسلام

آپ کا یہ فرمانا، بیت المال کی حقیقت اور خزانہ داری کی حالت کو واضح کرتا ہے کہ مال جو حاکم کے اختیار میں ہے وہ خدا کا ہے نہ حاکم کا۔ اسی لئے آپؑ کے نزدیک بیت المال کی تقسیم میں نہ تقوی ملاک تھا اور نہ رسول خداﷺ کی رشتہ داری، قرابت اور صحابی ہونا ملاک تھا اور نہ ہی جہاد فی سبیل اللہ۔ یہی وجہ تھی طلحہ و زبیر جب مساوات کے برخلاف، حقوق کا مطالبہ کرتے ہوئے بیعت کرنے آیا تو فرمایا: ایک درہم بھی تم میں اور معذور حبشی غلام میں فرق نہیں کروں گا۔ اسی طرح شیعوں کا ایک گروہ آیا اور مشورہ دینے لگا کہ آپ مصلحت پسندی سے کام لیتے ہوئے شیعوں کو فی الحال کچھ زیادہ بیت المال میں سے دیں تاکہ یہ لوگ آپ سے دور نہ

ہوں اور جب ان کا ایمان پکا ہو جائے تو ان میں بھی مساوات کے ساتھ بیت المال تقسیم فرمائیں، اسی طرح جب مالک اشتر نے بھی یہی مشورہ دیا کہ مولا! جنگ جمل بھی ختم ہو چکا اور اہل بصرہ اور کوفہ بھی جنگ صفین میں شامیوں پر غالب آ چکا۔ ابھی لوگ آپ کے بیت المال میں عادلانہ تقسیم کی وجہ سے آپ سے دور اور معاویہ سے نزدیک ہوتے جا رہے ہیں۔ لوگ آپ کی عدالت کا تاب نہیں رکھتے۔ اہل دین بہت کم ہو گئے ہیں اکثر لوگ دین کو مال دنیا کے مقابلے میں فروخت کرتے ہیں، ممکن ہے یہ اموال ان پر خرچ کرے تو آپ کی طرف آئیں گے اور خدا بھی آپ کو دشمن پر فتح دے اور دشمن کو نابود کرے۔ امامؑ نے فرمایا: اتأمُرُنی أنْ أَطلُبَ النصرَ بِالجُورِ فِيمَن وُلِّيتُ عَليهِ؟ واللهِ مَا أَطُوُرُ بِهِ ما سَمَر --- إنَّما المالُ مالُ الله، اَلا وَ إنَّ إعطاءَ المالِ فِی غَيرِ حَقِّهِ ۔ (نہج البلاغہ، نامہ، ۱۲۶) یعنی جب عطایا کی برابری پر اعتراض کیا گیا: ان پر ظلم کر کے چند افراد کی کمک حاصل کر لوں ۔خدا کی قسم جب تک اس دنیا کا قصہ چلتا رہے گا اور ایک ستارہ دوسرے ستارہ کی طرف جھکتا رہے گا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ مال اگر میرا ذاتی ہوتا تب بھی میں برابر سے تقسیم کرتا چہ جائیکہ یہ مال، خدا کی امانت ہے اور یاد رکھو کہ مال کا ناحق عطا کر دینا بھی اسراف اور فضول خرچی میں شمار ہوتا ہے اور یہ کام انسان کو دنیا میں بلند بھی کر دیتا ہے تو آخرت میں ذلیل کر دیتا ہے۔ لوگوں میں محترم بھی بنا دیتا ہے تو خدا کی نگاہ میں پست تر بنا دیتا ہے اور جب بھی کوئی شخص مال کو ناحق یا نا اہل پر صرف کرتا ہے تو پروردگار اس کے شکریہ سے بھی محروم کر دیتا ہے اور اس کی محبت کا رخ بھی دوسروں کی طرف مڑ جاتا ہے۔ پھر اگر کسی دن پیر پھسل گئے اور ان کی امداد کا بھی محتاج ہو گیا تو وہ بدترین دوست اور ذلیل ترین ساتھی ہی ثابت ہوتے ہیں۔

امامؑ تقسیم اموال میں کس قدر دقیق اور سخت تھے، آپ کے نزدیک عزیز و اقرباء، مجاہد، یتیم، بیوہ، عرب و عجم، قرشی، غیر قرشی، نامفہوم عناوین تھے۔ کسی کو کسی کے اوپر کوئی فوقیت نہیں تھی سب کو برابر کر کے دیتے تھے۔ چنانچہ وہ مشہور واقعہ جو اپنے بھائی عقیل کے ساتھ رونما ہوا، آپ کے نظروں کے سامنے ہے، فرماتے ہیں: واللَّه لَقَدْ رَأَيْتُ عَقِيلًا وقَدْ أَمْلَقَ --- ولَا أَئِنُّ مِنْ لَظَى۔ (نہج البلاغہ، نامہ، ۱۲۶) خدا کی قسم میں نے (اپنے بھائی) عقیل کو سخت فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا یہاں تک کہ وہ تمھارے (حصہ کے) گیہوں میں سے ایک صاع مجھ سے زیادہ مانگتے تھے اور میں نے ان کے بچوں کو بھی دیکھا جن کے بال بکھرے ہوئے اور فقر و بے نوائی سے رنگ تیرگی مائل ہو چکے تھے، گویا ان کے چہرے نیل چھڑک کر سیاہ کر دیے گئے ہیں۔ وہ اصرار کرتے ہوئے میرے پاس آیا، اور اس بات کو بار بار دہرایا میں نے ان کی باتوں کو کان لگا کر سنا تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ میں ان کے ہاتھ اپنا دین بیچ ڈالوں گا، اور اپنی روش چھوڑ کر ان کی کھینچ تان پر ان کے پیچھے ہو جاؤں گا۔ مگر میں نے کیا یہ، کہ ایک لوہے کے ٹکڑے کو تپایا اور پھر ان کے جسم کے قریب لے گیا تا کہ عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ وہ اس طرح چیخے جس طرح کوئی بیمار درد و کرب سے

چیختا ہے ،اور قریب تھا کہ ان کے بدن اس داغ دینے سے جل جائے۔ پھر میں نے ان سے کہا: اے عقیل ! رونے والیاں تم پر روئیں کیا تم اس لوہے کے ٹکڑے سے چیخ اٹھے ہو جسے ایک انسان نے ہنسی مذاق میں (بغیر جلانے کی نیت سے) تپائی ہے ،اور تم مجھے اس آگ کی طرف کھینچ رہے ہو کہ جسے خداوند قہار نے اپنے غضب سے بھڑکایا ہے۔ تم تو اذیت سے چیخو اور میں نہ چلاؤں؟!!

دوستوں نے جب کچھ مصلحت اندیشی کرکے قبیلے کے موثر افراد اور سرداروں پر بیت المال میں سے زیادہ خرچ کرنے کا مشورہ دیا تو فرمایا: کیا تم مجھے اس بات پر مجبور کر رہے ہو کہ اپنی سیاسی کامیابی اپنے رعایا پر ظلم و ستم کے ذریعہ حاصل کروں؟ خدا کی قسم جب تک راتیں باقی ہیں اور ستارے آسمان پر ایک دوسرے کے پیچھے حرکت کر رہے ہیں اس وقت تک ایسا نہیں کروں گا۔ یعنی کبھی ایسا نہیں کروں گا، اگر یہ اموال میرا ذاتی ہوتے تو بھی لوگوں میں برابر اور مساوی تقسیم کرتا، جبکہ یہ اموال اللہ کا ہے اور بیت المال میں سے ہیں۔ تم آگاہ رہو کہ اموال کا ناحق مقام پر خرچ کرنا اسراف ہے، یہ کام انسان کو دنیا میں تو اوپر لے جاتا ہے لیکن آخرت میں ذلیل کر دیتا ہے، لوگوں کے سامنے تو اس کی تعریفیں ہوتی رہے گی لیکن اللہ کے نزدیک ذلیل اور خوار ہوگا، اور جو بھی اپنے اموال کو نامناسب جگہوں میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے شکر کرنے کی توفیق سلب کرتا ہے اور اس کی محبت کو دوسروں کی طرف بڑھاتا ہے اور جب وہ ان کی مدد کا محتاج ہوتا ہے تو وہ لوگ جن سے محبت کرتا تھا، وہ بدترین دوست بن کر مدد کرنے سے کتراتے ہیں۔

ایک دن مولاؑ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو ! حضرت آدم اور حوا علیہا السلام نے کسی کو غلام یا کنیز تو جنم نہیں دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو بعض کی نسبت کچھ نعمت کی فراوانی عطا کی تاکہ وہ لوگ دوسروں کے خدمت گزار اور اللہ کے فرمان پر عمل پیرا ہوں، پس جن لوگوں نے اسلام کی خاطر محنت اور مشقتیں برداشت کیں، صبر سے کام لئے اور اللہ پر احسان بھی نہیں جتلائے، اور یہ بھی جان لئے کہ جو بھی بیت المال میں موجود ہے، ہم انہیں سیاہ اور سرخ لوگوں میں یکساں اور مساوی تقسیم کریں گے۔ اس وقت مروان نے طلحہ اور زبیر سے کہا: علیؑ کا مقصد تم دونوں ہے۔ راوی کہتا ہے: امام نے ہر ایک کو تین تین دینار عطا کئے، انصار قبیلے کی ایک بڑی شخصیت کو بھی تین دینار دئے اور اس شخص کا آزاد کردہ سیاہ غلام کو بھی تین دینار، اس شخص نے عرض کیا : یا امیر المؤمنین ! اس غلام کو کل ہی میں نے آزاد کیا ہے، ہم دونوں کا حصہ برابر؟ ! فرمایا: ہاں کیونکہ میں نے جب اللہ کی کتاب میں نگاہ کی تو حضرت اسماعیل کی اولاد اور حضرت اسحاق کی اولاد میں کوئی فرق نہیں دیکھا۔ (روضہ کافی، ص ۵۷، حدیث ۲۰۶)

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد امام اپنا سر مبارک نیچا کیا اور بہت دیر تک خاموش فکر میں ڈھوبے رہے۔ شاید امام کو اپنوں سے ایسی باتیں سننے پر تعجب ہوا، اور اپنی تنہائی کا ابھی سے احساس ہونے لگا۔ پھر امام سر مبارک اٹھا کر فرمانے لگے: تم میں سے جن کے پاس جتنے مال اموال ہیں ان کو غیر حقدار کو دینا اسراف اور تبذیر ہے۔ پس تم میں سے جن جن کے پاس مال دولت ہو، وہ اپنے ستم دیدہ، فقیر، اسیر اور زمین گیر رشتہ داروں کا مالی طور پر مدد کریں اور ان کو غم واندوہ سے نکال لیں تاکہ تمہیں دنیا اور آخرت دونوں میں شرف اور عزت نصیب ہو جائے۔ (خلیل کمرہ ای، سرچشمہ حیات، ص ۵۰۷) یہ آپ کی بیعت کرنے کے بعد سب سے پہلی اور انقلابی عادلانہ تقسیم تھی، اور آپ نے اپنے قول اور فعل کو یکسان کر دکھایا کہ بیت المال کی تقسیم میں ہر ایک شخص برابر کے شریک ہیں، کسی کو کسی کے اوپر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ اے کاش! ہمارے حکمران اور مالدار لوگ بھی اپنے مولا اور آقا کی سیرت پر چلنے کی کوشش کرتے۔

ہارون بن عنترہ نے اپنے بابا سے نقل کرتا ہے کہ میں قصر خورنق (حیرہ کے بادشاہوں کا معروف دربار) میں علی بن ابی طالب علیہ السّلام جو تمام اسلامی ممالک کا حاکم ہونے کے عنوان سے ملاقات کے لئے گئے ہوئے تھے، سردی کا موسم تھا، آپ ایک پرانہ لباس زیب تن کئے ہوئے سردی کی وجہ سے بدن کانپ رہے تھے، میں نے عرض کی: یا امیر المؤمنینؑ! اللہ نے آپ اور آپ کے خاندان والوں کو بھی باقی لوگوں کی طرح اس بیت المال میں حصہ رکھا ہے، اس سے کیوں استفادہ نہیں فرماتے؟ اور اپنے نفس پر سختی کرتے ہو؟! امام نے فرمایا: بیت المال میں تمہارے لئے میں کوئی زحمت نہیں اٹھا رہا، اس لئے یہ لباس جو مدینہ سے ہجرت کرتے وقت اپنے ساتھ لایا تھا، پہنا ہوا ہوں۔ (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۴۴۲؛ ابن جوزی، تذکرہ الخواص، ص ۱۰۸ و اربلی، کشف الغمۃ، ج ۱، ص ۲۳۰)

ابن نباتہ کہتے ہیں جب بھی امامؑ کے پاس بیت المال میں مال آتا تھا، تو سارے مستحق مسلمانوں کو پاس بلاتے اور سونا چاندی تقسیم کرتے وقت انہیں اپنے دست مبارک میں نچوڑتے ہوئے فرماتے: اے زرد سونا اور اے سفید چاندی! تم میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دو، اور جب سارا مال ختم ہو جاتے تو اس جگہ کو جارو مارنے اور پانی چھڑکانے کے بعد اس جگہ پر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے اور دنیا کو تین بار طلاق دیتے اور سلام پھیرتے ہوئے فرماتے: يَا دُنْيَا يَا دُنْيَا غُرِّي غَيْرِي --- آهِ مِنْ قِلَّةِ الزَّادِ لِلسَّفَرِ وَ وَحْشَةِ الطَّرِيق۔ (اربلی، علی بن عیسی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ (ط - القدیمۃ)، ج ۱؛ ص ۱۷۸، بنی ہاشمی - تبریز، چاپ: اول، ۱۳۸۱ق) ''اے دنیا اے دنیا! مجھ سے دور ہو جا۔ تو میرے سامنے بن سنور کر آئی ہے یا میری واقعاً مشتاق بن کر آئی ہے؟ خدا وہ وقت نہ لائے کہ تو مجھے دھوکہ دے سکے۔ جا میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے مجھے تیری ضرورت نہیں ہے۔ میں تجھے تین

مرتبہ طلاق دے چکا ہوں جس کے بعد رجوع کا کوئی امکان نہیں ہے۔ تیری زندگی بہت تھوڑی ہے اور تیری حیثیت بہت معمولی ہے اور تیری امید بہت حقیر شے ہے'' آہ زاد سفر کس قدر کم ہے۔ راستہ کس قدر طولانی ہے منزل کس قدر دور ہے اور وارد ہونے کی جگہ کس قدر خطرناک ہے۔

علیؑ اور قانون کا اجراء

چنانچہ ذکر ہوا کہ عثمان کا بھائی ولید کی خراب کاری کی وجہ سے عثمان کے پاس جب شکایت پہنچی تو فرمانداری سے ہٹایا اور کوڑا مانے کا حکم دیا گیا۔ کسی کی جرات نہیں تھی کہ ولید کو کوڑا مارے، کیونکہ وہ عثمان کا بھائی تھا، اس وقت صدای عدالت، امیر المؤمنینؑ ہاتھوں میں کوڑا لے کر تشریف لاتے ہیں۔ ولید نے کہا: اللہ اور رشتہ داری کی قسم دیتا ہوں، مجھے چھوڑ دیں لیکن پھر بھی اسے معاف نہیں کیا بلکہ حد جاری کر دی۔

اس سے بھی اہم بات تو یہ ہے کہ اگر قانون اجرا کرنے والا زیادہ احساساتی اور جذباتی ہو کر زیادتی کرتا تو خود مامور کو بھی کوڑا مارا جاتا تھا۔ جیساکہ قنبر نے جب کسی پر جذبات میں آکر تین کوڑے زیادہ مارا تو خود کو تین کوڑے امامؑ کی طرف سے کھانا پڑا۔ مقصد یہ ہے کہ قانون کے جاری کرنے میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے۔ (وسائل، ۱۸)

علیؑ اور فیصلے

امامؑ حکام اور قاضیوں پر زیادہ زور دیتے تھے کہ حکم جاری کرنے میں عدالت اور مساوات سے کام لیں۔ چنانچہ اپنے بعض نمائندوں کو خط لکھتے ہیں: ہر ایک کے ساتھ ایک جیسا رفتار کرو کسی کو ٹیڑی نگاہ سے، کسی کو وحشت ناک نگاہوں سے یا کسی کو اشارے سے اور کسی کا احوال پرسی کیساتھ بات مت کرو، تاکہ کوئی امیر تم سے ناتوان کے خلاف حکم لگانے کا طمع اور لالچ نہ کرے اور غریب اور نادار تمہاری عدالت سے مایوس نہ ہو جائے۔ یہی لالچ اور مایوسی دو ایسے عوامل ہیں کہ پورے معاشرے کو فاسد کر سکتے ہیں۔ اس لئے قاضی شریح کو وصیت کی: حکم جاری کرتے وقت نگاہ کرنے میں بھی مساوات اور برابری کو ملحوظ رکھے تاکہ تمہارے دوست تم سے بے جا توقع نہ رکھے اور دشمن تمہاری عدالت سے مایوس نہ ہو جائے۔

دوسری جگہ فرمایا: وأَنْصِفِ النَّاسَ مِنْ نَفْسِكَ --- ومَنْ ظَلَمَ عِبَادَ اللَّه كَانَ اللَّه خَصْمَه دُونَ عِبَادِه--- (نہج البلاغۃ (للصبحی صالح)، ص، ۴۲۸) اپنی ذات، اپنے اہل و عیال اور رعایا میں جن سے تمارہے تعلقات ہیں، سب کے سلسلہ میں اپنے نفس اور اپنے پروردگار کے سامنے انصاف کرنا کہ ایسا نہ کروگے تو ظالم ہو جاؤگے اور جو اللہ کے بندوں پر ظلم کرے گا اس کے دشمن خود پروردگار ہوگا اور جس کا دشمن پروردگار ہو گا، اس کی ہر دلیل باطل ہو جائے گی جب تک وہ اپنے ظلم سے باز نہ آجائے یا توبہ نہ کرلے، وہ پروردگار

کا مد مقابل شمار کیا جائے گا۔۔اللہ کی نعمتوں کی بربادی اور اس کے جلدی عذاب آنے کا سب سے بڑا سبب ظلم پر قائم رہنا ہے۔اس لئے کہ وہ مظلومنین کی فریاد کا سننے والا ہے اور ظالموں کے لئے موقع کا انتظار کرتا ہے۔ تمہارے لئے پسندیدہ کام وہ ہونا چاہیے جو حق کے اعتبار سے بہترین، انصاف کے اعتبار سے سب کو شامل اور رعایا کی مرضی سے اکثریت کے لئے پسندیدہ ہو کہ عام افراد کی ناراضگی خواص کی رضامندی کو بھی بے اثر بنادیتی ہے اور خاص لوگوں کی ناراضگی عام افراد کی رضامندی کے ساتھ قابل معافی ہو جاتی ہے۔رعایا میں خواص سے زیادہ حاکم پر خوشحالی میں بوجھ بننے والا اور بلاؤں میں کم سے کم مدد کرنے والا، انصاف کو ناپسند کرنے والا اور اصرار کے ساتھ مطالبہ کرنے والا، عطا کے موقع پر کم سے کم شکریہ ادا کرنے والا اور نہ دینے کے موقع پر بمشکل عذر قبول کرنے والا، زمانہ کے مصائب میں کم سے کم صبر کرنے والا، کوئی نہیں ہوتا۔

عوام الناس، دین کا ستون

مسلمان کی اجتماعی طاقت، دشمنوں کے مقابلہ میں دفاع کرنے والے عوام الناس ہی ہوتے ہیں لہٰذا تمہارا جھکاؤ انہیں کی طرف ہونا چاہیے اور تمہارا رجحان انہیں کی طرف ضروری ہے۔رعایا میں سب سے زیادہ دور اور تمہارے نزدیک مبغوض اس شخص کو ہونا چاہیے جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے عیوب کا تلاش کرنے والا ہے۔

دنیاکے ہر سماج میں دو طرح کے افراد (خواص اور عوام) پائے جاتے ہیں ،خواص وہ ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی بنیاد پر اپنے لئے امتیازات کے قائل ہوتے ہیں اور ان کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ انہیں قانون میں زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل ہو اور ہر موقع پر ان کی حیثیت کو پیش نظر رکھا جائے۔اگرچہ مصائب اور آفات کے موقع پر ان کا کوئی کردار نہیں ہوتا ہے اور نہ یہ کسی میدان حیات میں نظر آتے ہیں۔اس کے برخلاف عوام الناس ہر مصیبت میں سینہ سپر رہتے ہیں، ہر خدمت کے لئے آمادہ رہتے ہیں اور کم سے کم حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مولائے کائنات نے اسی لئے فرمایا: حاکم کا فرض ہے کہ عوام الناس کے مفادات کا تحفظ کرے اور انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرے کہ یہی دین کا ستون اور اس کی قوت ہیں اور انہیں سے اسلام کی طاقت کا مظاہرہ ہوتا ہے اس کے بعد خواص ناراض بھی ہو گئے تو ان کی ناراضگی کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور امت کے کام چلتے رہیں گے لیکن اس کے برخلاف اگر عوام الناس ہاتھ سے نکل گئے اور وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے تو پھر اس طوفان کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا ہے اور یہ سیلاب بڑے بڑے تخت و تاج کو اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے۔(علامہ ذیشان حیدر جوادی، ترجمہ نہج البلاغہ، ص۵۶۶۔)

کیونکہ کسی بھی آزاد اور منصف معاشرہ یا سماج میں اگر بے عدالتی، ناانصافی، بڑھ جائے تو وہاں ضرور انقلاب آتا ہے، کیونکہ ہر انسان فطری طور پر عدالت خواہ ہوتا ہے۔ جیساکہ تاریخ گواہ ہے کہ ایران کا ۲۵۰۰ سالہ شہنشاہی نظام کا تختہ کیوں الٹا یا گیا؟ کہا جاتا ہے کہ شاہ ایران نے ۲۰ سے ۲۴ مہر ۱۳۵۰ شمسی میں شیراز تخت جمشید کے اس لق و دق مقام پر پوری دنیا کے تقریبا ۱۴۱ ممالک کے بادشاہوں اور وزیر وزراء کو بطور مہمان بلا کر اتنا بے تحاشا خرچ کیا کہ حسن امینی اور مارسل ہودر، جو اس مراسم کے بر گزار کرنے والوں میں سے ہیں، کہتے ہیں: سوئیس کے دو سال کا بجٹ یہاں دو دن میں خرچ کیا گیا۔ ابوالحسن بنی صدر کہتا ہے کہ چار دن کی مہمانی پر ۶۵۰ ملیون ڈالر خرچ کیا گیا۔ بعض اخبارات میں ۲۲ ملیون ڈالر ذکر کیا ہے۔ جتنا بھی ہوا تنی خطیر رقم اپنی عیاشی پر خرچ کرے اور غریب لوگوں کے ہاں پینے کا پانی بھی نہ ہو، اور غربت وافلاس اور بھوک وپیاس کی وجہ سے مر رہے ہوں تو عوام سے رہا نہ گیا اس اجتماعی ناانصافی اور غیر عادلانہ رویہ دیکھ کر ہر شہر میں احتجاج اور مظاہرے اپنے عروج کو پہنچ گئے اور آخر کار یہی ناانصافیاں اور فضول خرچیاں، شاہ خائن کی بادشاہت کے جنازہ میں آخری کیل ثابت ہوئے۔

أَنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ع وَلَّى أَبَا الْأَسْوَدِ الدُؤَلِيَّ الْقَضَاءَ ثُمَّ عَزَلَهُ فَقَالَ لَهُ لِمَ عَزَلْتَنِي وَ مَا خُنْتُ وَ لَا جَنَيْتُ فَقَالَ ع إِنِّي رَأَيْتُ كَلَامَكَ يَعْلُو كَلَامَ خَصْمِكَ۔۔۔(مستدرک الوسائل، ۳۵۹/۱۷، باب نوادر) ابوالاسود دؤلی کو مسند قضاوت پر بٹھانے کے بعد جب ہٹایا گیا تو عرض کی: مولی! آپ کیوں مجھے منصب سے ہٹا رہے ہیں؟! میں نے کوئی خیانت تو نہیں کی تھی۔ فرمایا: میں نے دیکھا، تمھاری آواز مدعی اور مدعی الیہ کی آواز سے زیادہ اونچی تھی۔

محکمہ عدالت اور قضاوت میں مساوات کا اس قدر علیؑ قائل تھے کہ اگرچہ ایک نصرانی شخص کے برابر بھی بیٹھنا پڑے تب بھی آپ پر ناگوار نہیں گزرتا۔ چنانچہ یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ جب علیؑ نے اپنے زرہ کو نصرانی کے ہاتھوں میں دیکھا تو فرمایا "یہ زرہ میرا ہے۔ نہ میں نے کسی کو ہدیہ کیا ہے اور نہ کسی کو فروخت کیا ہے" قاضی شریح نے کہا: دو گواہ لائیں۔ امامؑ نے فرمایا: نہیں ہے۔ دوسری روایت کے مطابق امام نے امام حسینؑ اور قنبر کو پیش کیا۔ قاضی نے نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا امامؑ نے بھی اس پر خاموشی اختیار کرلی۔ اس وقت نصرانی علیؑ کے قدموں میں گرپڑے اور کہنے لگا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں! میں بھی جانتا تھا کہ یہ زرہ آپ کا ہی ہے، لیکن میں جاننا چاہتا تھا کہ آپ کی حکومت بھی دوسرے حکمرانوں کی حکومت مختلف ہے یا نہیں؟!!! کیونکہ ارباب زور وزر (حکمران) ہر وقت اپنی باتوں کو بغیر کسی دلیل کے منوا لیتے ہیں، لیکن میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ کی حکومت کو گزشتہ پیغمبروں کی حکومت کی مانند پایا کہ حق وعدالت والی حکومت ہے۔ میں مسلمان تو نہیں ہوں لیکن آپ جیسے عادل حاکموں کے زیر عدالت خوشی سے زندگی گزار رہا ہوں۔ کیونکہ آپ نے مجھے حق دیا کہ اپنی بات کو قاضی تک پہنچا دوں اور پھر ایک

عام شخص کی طرح محاکمہ پر راضی ہوئے۔ یہ ہے آپ کی آئین پاک کی حقانیت جو مجھ پر ثابت ہوئی۔اس کے بعد نصرانی نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیااور آپ کے مخصوص صحابیوں میں شمار ہواآخر کار جنگ صفین میں امامؑ کی رکاب میں درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

جارج جرداق اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد ایک عظیم نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگراس داستان پر غور کرے تو عدالت و حق کے علاوہ کرامت انسانی کے حقوق کا بھی پاس کرتے ہوئے آداب سخن کو بھی ملحوظ پاؤگے، کہ امامؑ کا یہ فرمانا: "یہ زرہ میرا ہے نہ کسی کو دیا ہے نہ کسی کو فروخت کیا ہے" اس کالازمہ یہ تھاکہ جب دوسرے کی ہاتھوں میں پائے تو یہ کہہ سکتے تھے کہ تو نے چوری کی ہے،جو اس کی شخصیت پر ایک دبہ تھا، لیکن ایسا نہیں فرمایا۔

یہ تو علیؑ کی نظروں میں حقوق بشر کا تذکرہ تھا، حیوانوں اور چوپایوں کے حقوق کا کس قدر علیؑ کو فکر ہے؟ سید رضی فرماتے ہیں: میں نے یہ چند جملے اس لئے نقل کر رہا ہوں تاکہ ہر شخص کو اندازہ ہو جائے کہ حضرت کس طرح ستون حق کو قائم رکھتے تھے اور چھوٹے بڑے،اہم اور معمولی معاملات میں عدل وانصاف کی مثالیں قائم کرنا چاہتے تھے۔چنانچہ آپ مالیات جمع کرنے والوں کو سفارش کرتے ہوئے خط لکھتے ہیں، جسے ہر اس شخص کو لکھ کر دیتے تھے جسے صدقات اور زکات جمع کرنے کے لئے مختلف علاقوں میں بھیجتے تھے: خداکا خوف لے کر آگے بڑھو اور خبردار! نہ کسی مسلمان کو خوفزدہ کرنا اور نہ کسی کی زمین پر جبراً اپنا گزر کرنا۔مال میں سے حق خدا سے ذرہ برابر زیادہ مت لینااور جب کسی قبیلہ کے ہاں جائے تو ان کے گھروں میں گھسنے کے بجائے چشمہ اور کنویں پر اپنا پڑاؤ ڈالنا۔اس کے بعد سکون و وقار کے ساتھ ان کی طرف جانا اور ان کے درمیان کھڑے ہو کر سلام کرنا اور سلام کرنے میں بخل سے کام نہ لینا۔پھر ان سے کہنا: بندگان خدا! مجھے تمہاری طرف پروردگار کے ولی اور جانشین نے بھیجا ہے تاکہ میں تمہارے اموال میں سے پروردگار کا حق لے لوں تو کیا تمہارے اموال میں کوئی اللہ کا حق ہے جسے میرے حوالے کر سکو؟اگر کوئی شخص انکار کردے تو اس سے دوبارہ تکرار نہ کرنا اور اگر کوئی شخص اقرار کرے تو اس کے ساتھ اس انداز سے جاناکہ نہ کسی کو خوفزدہ کرنا نہ دھمکی دینا۔نہ سختی کرنا اور نہ بیجا دباؤ ڈالنا۔جو سونا یا چاندی دے دیں وہ لے لینا اور اگر حیوانات دئے تو انہیں لے کر مرکز تک پہنچ جانا۔اس وقت کسی ظالم و جابر کی طرح داخل نہ ہو نا نہ کسی جانور کو بھڑکا دینا اور نہ کسی کو خوفزدہ کر دینا اور مالک کے ساتھ بھی غلط برتاؤ نہ کرنا بلکہ مال کو دو حصوں میں تقسیم کرکے مالک کو اختیار دینا اور وہ جس حصہ کو اختیار کرلے اس پر کوئی اعتراض نہ کرنا۔پھر باقی کو دو حصوں میں تقسیم کرنا اور اسے اختیار دینا اور پھر اس کے اختیار پر اعتراض نہ کرنا۔یہاں تک کہ اتنا ہی مال باقی رہ جائے جس سے حق خدا ادا ہو سکتا ہے تو اسی کو لے لینا۔بلکہ اگر کوئی شخص تقسیم پر نظر ثانی کی درخواست کرے تو اسے بھی منظور

کر لینااور سارے مال کو ملا کر پھر پہلے کی طرح تقسیم کرنااور آخر میں اس بچے مال میں سے حق اللہ لے لینا۔ بس اس کا خیال رکھنا کہ بوڑھا، ضعیف، کمر شکستہ، کمزور اور عیب دار اونٹ نہ لینااور ان اونٹوں کا امین بھی اسی کو بنانا جس کے دین کااعتبار ہو اور جو مسلمانوں کے مال میں نرمی کابرتاؤ کرتا ہو، تاکہ وہ ولی تک مال پہنچادے اور وہ ان کے درمیان تقسیم کردے۔اس موضوع پر صرف اسے وکیل بنانا جو مخلص، خداترس، امانت دار اور نگراں ہو۔نہ سختی کرنے والا ہو، نہ ظلم کرنے والا، نہ تھکادینے والا ہو نہ شدت سے دوڑانے والا۔اس کے بعد جس قدر مال جمع ہو جائے، وہ میرے پاس بھیج دیناتاکہ میں امر الٰہی کے مطابق اس کے مرکز تک پہنچا دوں۔امانت دار کو مال دیتے وقت اس بات کی ہدایت دے دیناکہ خبردار اونٹنی اور اس کے بچہ کو جدا نہ کرے اور ساراد ودھ نہ نکال لے جو بچہ کے حق میں مضر ہو۔ سواری میں بھی شدت سے کام نہ لے، اس کے اور دوسری اونٹنیوں کے درمیان عدل و مساوات سے کام لے۔ تھکے ماندے اونٹ کو دم لینے کاموقع دے اور جس کے کھر گھس گئے ہوں یا پاؤں شکستہ ہوں ان کے ساتھ نرمی کابرتاؤ کرے۔راستے میں تالاب پڑیں تو انہیں پانی پینے کے لئے لے جائے اور سر سبز راستوں کو چھوڑ کر بے آب و گیاہ راستوں پر نہ لے جائے وقتاً فوقتاً آرام دیتا رہے اور پانی اور سبزہ کے مقامات پر ٹھہرنے کی مہلت دے یہاں تک کہ ہمارے پاس اس عالم میں پہنچیں تو حکم خدا سے تندرست و تگڑے ہوں۔ تھکے ماندے نہ ہوں تاکہ ہم کتاب خدا اور سنت رسول (ص) کے مطابق انہیں تقسیم کر سکیں کہ یہ بات تمہارے لئے بھی اجر عظیم کا باعث اور ہدایت سے قریب تر ہے۔انشاء اللہ۔ (علامہ ذیشان حیدر جوادی، ترجمہ نہج البلاغہ وصیت ،۲۵۔)

مورخین کے بیان کے مطابق امیر المؤمنینؑ نے اپنی زندگی میں صرف ارواح و نفوس کی سر زمینوں کو زندہ کرنے کا کام انجام نہیں دیا ہے، بلکہ مادی زمینوں میں بھی مسلسل کام کرتے رہے ہیں، زمینوں کو قابل کاشت بنایا ہے، چشموں کو جاری کیا ہے، درختوں کی سینچائی کی ہے اور ایک مزدور جیسی زندگی گذاری ہے اور پھر اپنی ساری زحمتوں اور محنتوں کے نتیجہ کو راہ خدا میں وقف کردیا ہے تاکہ بندگان خدا استفادہ کر سکیں اور اولاد علی بھی صرف بقدر ضرورت فائدہ اٹھاسکے۔ ایسا کردار اب صرف کا غذات پر رہ گیا ہے۔ورنہ اس کا وجود دنیا سے عنقا ہو چکا ہے نہ علی والوں میں دیکھنے میں آتا ہے اور نہ اغیار میں۔ سربراہان مملکت فوٹو کھنچوانے کے لئے ہاتھ میں پھاوڑااور کدال لے لیتے ہیں ورنہ انہیں زراعت سے کیا تعلق ہے۔زمینوں کا زندہ رکھنا ابوتراب کا کام تھا اور انہوں نے اس کا حق ادا کردیا۔ باقی سب داستانیں ہیں جو صفحہ قرطاس پر محفوظ کردی گئی ہیں اور ان میں روشنائی کی چمک ہے، کردار اور حقیقت کی روشنی نہیں ہے۔ (ہمان، ص۵۰۱)

پس اگر کوئی چاہتے ہو کہ انسان اور حیوانات کے حقوق ادا کرے، مکتب علیؑ اور سیرہ علیؑ کا مطالعہ کرلے اور آپ کی سیرت کو اپنانے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیرت امیر المؤمنینؑ پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

سماج اور ظلم و ستم

جس حکومت کی بنیاد ظلم و ستم پر قائم ہو وہ معاشرہ کے فاسد ہونے، طبقاتی اختلافات اور لوگوں کی حکومت سے دشمنی کا سبب بنتی ہے۔ اور وہ حکومت بہت جلد تنزلی کا شکار ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مولاؑ کے لئے عدالت کس قدر اہم ہے، اور ذرہ برابر ناانصافی کرکے اپنی خلافت اور حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے۔ اس لئے جب آپ کے پاس لوگ بیعت کرنے آئے تو بیعت قبول کرنے سے انکار فرمارہے تھے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ لوگ عدالت علوی کو تحمل نہیں کرسکیں گے۔

آپ نے قتل عثمان کے بعد خطبہ شقشقیہ میں فرمایا: جب لوگوں کا ہجوم آپ کے گھر پر امنڈ پڑا تو آپ نے فرمایا: میں اگر خلافت کو قبول کرتا ہوں تو اس لئے ہے کہ معاشرہ دو گروہ میں تقسیم ہو چکا ہے ایک طرف مظلوم عوام اور غریب لوگ ہیں جو غریب سے غریب تر ہوتے جارہے ہیں اور دوسری طرف ظالم اور مالدار لوگ ہیں جو دن بہ دن امیر سے امیر تر ہوتے جارہے ہیں، معاشرہ میں سے اس ناانصافی اور بے عدالتی کو ختم کرنے کے لئے ہی حکومت کو قبول کروں گا، فرمایا: وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ۔۔۔ دُنْيَاكُمْ هٰذِهِ عِنْدِي اَزْهَدَ مِنْ عَفْطَةِ عَنْزٍ۔ (خطبہ، ۱۵) آگاہ ہو جاؤ وہ خدا گواہ ہے جس نے دانہ کو شگافتہ کیا ہے اور ذی روح کو پیدا کیا ہے کہ اگر حاضرین کی موجودگی اور انصار کے وجود سے حجت تمام نہ ہو گئی ہوتی اور اللہ کا اہل علم سے یہ عہد نہ ہوتا کہ خبردار! ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر چین سے نہ بیٹھنا تو میں آج بھی اس خلافت کی رسی کو اسی کی گردن پر ڈال کر ہنکا دیتا اور اس کی آخر کو اول ہی کے کاسہ سے سیراب کرتا اور تم دیکھ لیتے کہ تمہاری دنیا میری نظر میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ بے قیمت ہے۔ والَّذِي بَعَثَه بِالْحَقِّ لَتُبَلْبَلُنَّ بَلْبَلَةً ولَتُغَرْبَلُنَّ غَرْبَلَةً۔۔۔ ولَيُقَصِّرَنَّ سَبَّاقُونَ كَانُوا سَبَقُوا۔ (خطبہ، ۱۶) قسم ہے اس پروردگار کی جس نے آپ (ص) کو حق کے ساتھ مبعوث کیا تھا کہ تم سختی کے ساتھ تہ و بالا کئے جاؤگے تمہیں باقاعدہ چھانا جائے گا اور دیگ کی طرح چمچے الٹ پلٹ کیا جائے گا یہاں تک کہ اسفل اعلیٰ ہو جائے اور اعلیٰ اسفل بن جائے اور جو پیچھے رہ گئے ہیں وہ آگے بڑھ جائیں اور جو آگے بڑھ گئے ہیں وہ پیچھے آجائیں۔

علی (ع) نے مالک اشتر کے لئے بڑی تاکید کے ساتھ لکھا: ثُمَّ انْظُرْ فِي أُمُورِ عُمَّالِكَ فَاسْتَعْمِلْهُمُ اخْتِبَاراً۔۔۔ حَذْوَةٌ لَهُمْ عَلَى اسْتِعْمَالِ الأَمَانَةِ والرِّفْقِ بِالرَّعِيَّةِ (نہج البلاغہ۔ نامہ ۵۳/۷۱) اپنے عاملوں کے معاملات پر بھی نگاہ رکھنا اور انہیں امتحان کے بعد کام سپرد کرنا اور خبردار تعلقات یا جانبداری کی بنا پر عہدہ نہ دے دینا کہ یہ باتیں ظلم اور خیانت کے اثرات میں شامل ہیں۔ اور

دیکھوان میں بھی جو مخلص اور غیرت مند ہوں ان کو تلاش کرنا جو اچھے گھرانے کے افراد ہوں اور ان کے اسلام میں سابق خدمات رہ چکے ہوں کہ ایسے لوگ خوش اخلاق اور بے داغ عزت والے ہوتے ہیں۔ان ے اندر فضول خرچی کی لالچ کم ہوتی ہے اور یہ انجام کار پر زیادہ نر رکھتے ہیں۔اس کے بعد ان کے بھی تمام اخراجات کا انتظام کر دینا کہ اس سے انہیں اپنے نفس کی اصلاح کا بھی موقع ملتاے اور دوسروں کے اموال پر قبضہ کرنے سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں اور پھر تمہارے امر کی مخالفت کریں یا امانت میں رخنہ پیدا کریں تو ان پر حجت بھی تمام ہو جاتی ہے۔اس کے بعد ان عاملین زکات کے اعمال کی بھی تفتیش کرتے رہنا اور نہایت معتبر قسم کے اہل صدق و صفا کو ان پر جاسوسی کے لئے مقرر کر دینا کہ یہ طرز عمل انہیں امانت داری کے استعمال پر اور رعایا کے ساتھ نرمی کے برتاؤ پر آمادہ کرے گا۔

حضرت علی (ع) حکومت اور عدالت کے بارے میں فرماتے ہیں:وإِنَّ أَفْضَلَ قُرَّةِ عَيْنِ الْوُلَاةِ اسْتِقَامَةُ الْعَدْلِ فِي الْبِلَادِ وظُهُورُ مَوَدَّةِ الرَّعِيَّةِ۔(نہج البلاغہ، مالک اشتر کے نام خط۔ نامہ ۵۳۔)اور والیوں کے حق میں بہترین خنکی چشم کا سامان یہ ہے کہ ملک بھر میں عدل و انصاف قائم ہو جائے اور رعایا میں محبت و الفت ظاہر ہو جائے۔

دوسری جگہ فرمایا:واللَّه لأَنْ أَبِيتَ عَلَى حَسَكِ السَّعْدَانِ مُسَهَّداً۔۔ نَعُوذُ بِاللَّه مِنْ سُبَاتِ الْعَقْلِ وقُبْحِ الزَّلَلِ وبِه نَسْتَعِينُ۔(نہج البلاغہ معجم المفہرس، خطبہ ۲۲۴) ظلم سے برائت و بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: خدا گواہ ہے کہ میرے لئے سعدان کی خار دار جھاڑی پر جگ کر رات گزار لینا یا زنجیروں میں قید ہو کر کھینچا جانا اس امر سے زیادہ عزیز ہے، کہ میں روز قیامت پروردگار سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ کسی بندہ پر ظلم کر چکا ہو یا دنیا کے کسی معمولی مال کو غصب کیا ہو۔بھلا میں کسی شخص پر بھی اس نفس کے لئے کس طرح ظلم کروں گا جو فنا کی طرف بہت جلد پلٹنے والا ہے اور زمین کے اندر بہت دنوں رہنے والا ہے۔

ایک رات ایک شخص (اشعث بن قیس) میرے پاس شہد میں گوندھا ہوا حلوہ برتن میں رکھ کر لایا جو مجھے اس قدر ناگوار تھا جیسے سانپ کے تھوک یا قے سے گوندھا ہو۔میں نے پوچھا کہ یہ کوئی انعام ہے یا زکوۃ یا صدقہ، جو ہم اہل بیت پر حرام ہے؟اس نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے۔یہ فقط ایک ہدیہ ہے ! میں نے کہا کہ پسر مردہ عورتیں تجھ کو روئیں۔تو دین خدا کے راستہ سے آ کر مجھے دھوکہ دینا چاہتا ہے تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے یا تو پاگل ہو گیا ہے یا ہذیان بک رہا ہے۔آخر ہے کیا؟

خدا گواہ ہے کہ اگر مجھے ہفت اقلیم کی حکومت تمام زیر آسمان دولتوں کے ساتھ دے دی جائے اور مجھ سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ میں کسی چیونٹی پر صرف اس قدر ظلم کروں کہ اس کے منہ سے اس چھلکے کو چھین لوں جو وہ چبا رہی ہے تو ہرگز ایسا نہیں کر سکتا

ہوں۔ یہ تمہاری دنیا میری نظر میں اس پتی سے زیادہ بے قیمت ہے جو کسی ٹڈی کے منہ میں ہو اور وہ اسے چبا رہی ہو۔ بھلا علی کو ان نعمتوں سے کیاواسطہ جو فنا ہو جانے والی ہیں اور اس لذت سے کیا تعلق جو باقی رہنے والی نہیں ہے۔ میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں عقل کے خواب غفلت میں پڑ جانے اور لغزشوں کی برائیوں سے اور اسی سے مدد کا طلب گار ہوں۔

حکمرانوں کی خصوصیات اور ذمہ داریاں

حکمران چونکہ اللہ کی طرف سے اس روئے زمین پر اپنا خلیفہ اور امانت دار ہے تاکہ اس دنیا میں عدالت قائم کرسکے جیساکہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: إِنَّ السُّلْطَانَ لَأَمِينُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ وَ مُقِيمُ الْعَدْلِ فِي الْبِلَادِ وَ الْعِبَادِ وَ وَزَعَتُهُ [وَ زَرَعَتُهُ] فِي الْأَرْض. (تصنیف غرر الحکم ودرر الکلم، ص۳۴۱) بے شک حکمران روئے زمین پر اللہ کا امین، ملکوں اور بندوں میں عدالت برقرار کرنے والا، اور زمین پر نہی از منکر کرنے والا ہے۔ لہٰذا ان حاکموں اور مسئولین میں بھی درج ذیل خصوصیات اور شرائط کا ہونا ضروری ہے:

۱۔علم و دانش کے زیور سے مالامال ہو: امام علیؑ نے فرمایا: إِنَّ أَحَقَ النَّاسِ بِهَذَا الْأَمْرِ أَقْوَاهُمْ عَلَيْهِ وَ أَعْلَمُهُمْ بِأَمْرِ اللَّهِ فِيه (ہمان، ترجمہ فیض الاسلام، خطبہ ۱۷۲۔)

۲۔اسلامی اصولوں پر کامل اعتقاد رکھتا ہو: اس بارے میں مولا علیؑ فرماتے ہیں: لایعدل الا مَن یحسن العدل۔ (کافی، ج۱، ص ۵۴۲) یعنی وہی شخص عدالت اجتماعی قائم کرسکتا ہے جو معتقد ہو کہ سماج میں عدالت کا اجراء کرنا ایک شائستہ عمل ہے۔

۳۔ عادل ہو

اسلام نے ہر قسم کے مسئولین میں عدالت کی شرط رکھی ہے: جیسے امام جماعت، قاضی، گورنر اور حاکم میں عدالت ہونا ضروری ہے۔اور جو بھی اپنی خواہشات نفسانی کے پیروکار ہو، لالچی ہو، وہ ان عہدوں کے قابل نہیں ہے۔اس لئے مولا علیؑ فرماتے ہیں: حکومت کو اللہ کی طرف سے امانت جاننا چاہئے نہ مال دولت جمع کرنے کا ذریعہ۔ (نہج البلاغہ، نامہ ۵) مَنْ لَمْ يُنْصِفِ الْمَظْلُومَ مِنَ الظَّالِمِ سَلَبَهُ اللَّهُ قُدْرَتَه. و مظلوم کے ساتھ انصاف نہیں کرتا بہت جلد اس سے اللہ تعالیٰ قدرت سلب کرتا ہے۔آپ کا ہی فرمان ہے: قالَ ع لَا يُقِيمُ أَمْرَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ إِلَّا مَنْ لَا يُصَانِعُ وَ لَا يُضَارِعُ وَ لَا يَتَّبِعُ الْمَطَامِع۔ (نہج البلاغہ، حکمت ۱۰۷) اللہ کے دین کو وہی جاری کرسکتا ہے جو خود احکام الٰہی پر عمل پیرا ہو، ورنہ جس میں عدالت نہیں وہ ظلم وجور کا کھلونا بن جاتا ہے۔ (علامہ محمد تقی جعفری، ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۲۶۵) آگے فرمایا: حکمرانوں کو چاہئے کہ اس منصب کو اپنے لئے باعث امتحان سمجھے

،نہ اقرباء پروری کا ذریعہ۔ لوگوں کو چاہئے کہ ایسے لوگوں کو انتخاب کریں کہ جو باحیاء، نیک اور نجیب خاندان سے ہوں،اسلامی اور دینی معرفت رکھتے ہوں۔ کیونکہ ایسے لوگ اچھے اخلاق اور پاکیزہ کردار کے مالک ہوتے ہیں اور مال دولت کی لالچ میں نہیں آتے۔

نتیجہ

عدالت ساری نیکیوں کا مجموعہ اور ایمان کا اعلی ترین مرتبہ ہے ،جس کے بغیر ایمان بھی مردہ ہے اور معاشرہ بھی مردہ ہے۔ جس سماج یا اجتماع میں عدالت قائم ہو ،اس سماج میں نکھار ، خوشحالی،آرام وسکون، اچھے اخلاق ، کردار ، دوستی، دیگر ساری خوبیاں اور نیکیاں پیدا ہوجاتی ہیں اور عدالت ہی کی وجہ سے برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ساتھ ہی عداوت ، دشمنی، او دیگر ساری خرابیوں اور برائیوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے ،اور سماج ،ترقی کی راہ پر چلنے لگتا ہے۔ کیونکہ عدالت ہی لوگوں کی زندگیاں گزارنے کے لئے مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔اور یہ بھی یادرہے کہ کسی سماج کی نابودی، یا بربادی،اس کے مکانات، محلات اور شہروں کا برباد ہونا نہیں بلکہ اس میں ظلم اور ناانصافی کا رواج پانا ہے۔(تصنیف غرر الحکم و درر الکلم، ص: ۳۴۰) کیونکہ عدالت ہی بہترین سیاست اور اعلی ترین بادشاہ وہی ہے۔

در حقیقت عدالت ایک ایسی روحانی اور معنوی صفت ہے جو مومن کو سارے گناہوں سے دور اور اطاعت پروردگار سے نزدیک کرتی ہے۔(غلام رضا گلی زوارہ قمشہ ای، نشریہ پاسدار اسلام ۱۳۸۵ شمارہ ۲۹۷ تاریخ انتشار، ۳۱ اَسد ۱۳۹۸)

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ عدالت ، احکام الہی کا زندہ ہونے کا باعث ہے۔اسی لئے آپ نے عدالت کا اجراء کرنے میں اس قدر کوشش کی کہ تاریخ نے لکھا:قُتِلَ عَلِیٌّ فِی مِحْرَابِ عِبَادَتِهِ لِشِدّةَ عَدْلِهِ۔ (خطبہ ،۱۹۷) علی اپنی سخت عدالت کی وجہ سے قتل ہوا۔اور تاریخ کے صفحات پر علیؑ کا نام گرامی عدل اور عدالت کے ساتھ قرین اور لازم وملزوم ہے، یعنی جب بھی علی کا نام لیا جائے تو عدالت بھی خیال میں آئے اور اگر عدالت کے بارے میں کوئی بحث چلے تو ضرور علی ابن ابیطالب ع کا نام ضرور ذہن میں آئے۔اسی لئے جارج جرداق مسیحی " صوت عدالۃالانسانیہ" نامی کتاب میں لکھتا ہے اگر علی نہ ہوتے تو تاریخ میں عدالت کا مصداق اور نمونہ ملنا مشکل ہوجاتا۔

عادل حکمران اور امام، موسلادار بارش سے بھی زیادہ بابرکت ہے۔ کیونکہ حاکم کی عدالت اس کے سر کا تاج اور زینت ہے۔جس نے اپنے نفس پر کنٹرول کیا اور عدالت سماج میں عام کیا، سیاست کا جمال عوام میں عدل برقرار کرنا اور انتقام کی توانائی کے باوجود عفو درگذر کرنا ہے۔لَیْسَ ثَوَابٌ عِنْدَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ أَعْظَمُ مِنْ ثَوَابِ السُّلْطَانِ الْعَادِلِ وَ الرَّجُلِ الْمُحْسِنِ.اللہ تعالیٰ کے نزدیک عادل بادشاہ اور احسان کرنے والوں کے ثواب سے بڑھ کر کسی اور کا ثواب نہیں ہے۔سِيَاسَةُ الْعَدْلِ ثَلَاثٌ لِينٌ فِي حَزْمٍ وَ اسْتِقْصَاءٌ فِي عَدْلٍ وَ إِفْضَالٌ فِي قَصْدٍ. عدالت والی سیاست کے تین اصول ہیں: دوراندیشی کے ساتھ ساتھ نرمی، ہر حالت

میں عدالت قائم کرنا، میانہ روی کے ساتھ احسان کرنا۔ (عبدالواحد امدی، غررالحکم و دررالکلم،) جب عدالت انسان کے اندر ملکہ بنے تو اسی کی وجہ سے وہ واجبات اور محرمات پر زیادہ توجہ دیتا ہے۔

اور عدالت اس وقت تک سماج یا معاشرہ میں کوئی قائم کر سکتا، جب تک وہ خود اپنے اوپر قائم نہیں کرتا۔ لہٰذا ہماری دعا ہے کہ ہم سب کو ان گوہر بار فرامین پر چلتے ہوئے سب سے پہلے اپنے اوپر پھر معاشرے میں عدالت قائم کرکے سماج کو سدھارنے کی توفیق عطا ہو اور ساتھ ہی ہمارے ملک خداداد پاکستان میں بھی عادل اور منصف حکمران ہمیں نصیب فرما۔ آمین یا رب العالمین۔

فہرست منابع

قرآن کریم

۱. ابن إبي الحدید، عبد الحمید بن ہبہ اللہ، شرح نہج البلاغۃ لابن إبي الحدید، مکتبہ آیۃ اللہ المرعشی النجفی۔ قم، ۱۴۰۴ق۔

۲. ابن اثیر، عزالدین، الکامل فی التاریخ، دار صادر، بیروت، لبنان، ۱۳۸۵۔

۳. ابن بابویہ، محمد بن علی، علل الشرائع / ترجمہ محمد جواد، ذہنی تہرانی، انتشارات مؤمنین۔ قم، ۱۳۸۰ش.

۴. ابن منظور، جمال الدین؛ لسان العرب، نشر ادب الحفدہ، ۱۴۰۵۔

۵. اربلی، علی بن عیسی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ (ط - القدیمۃ)، بنی ہاشمی - تبریز، ۱۳۸۱ق۔

۶. امام خمینی، در جست وجوی راہ از کلام امام، دفتر اول، امیر کبیر، تہران، ۱۳۶۳۔

۷. امام خمینی، شرح حدیث جنود و عقل و جہل، امام خمینی، موسسہ نشر آثار امام خمینی، قم، ۱۳۹۵۔

۸. انصاری، مرتضی بن محمد امین مکاسب دہاقانی (اسماعیلیان) ۱۳۷۶۔

۹. بنی ہاشمی، سید محمد حسین، رسالۃ دوازدہ مرجع، دفتر انتشارات اسلامی، چاپ اول، قم۔

۱۰. پایگاہ خبری تحلیلی انتخاب [Entekhab.ir] ۔

۱۱. پایندہ، ابو القاسم، نہج الفصاحۃ (مجموعہ کلمات قصار حضرت رسول ﷺ)، ناشر دنیای دانش، ۱۳۶۳۔

۱۲. تمیمی، آمدی، عبدالواحد؛ غرر الحکم و درر الکلم، مؤسسہ الاعلمی، بیروت، ۱۳۶۶ش.

۱۳. جورج کلوسکو، تاریخ فلسفہ سیاسی، مترجم، خشایار دیہیمی، نشرنی، تہران، ۱۳۶۳۔

۱۴. حر عاملی، محمد بن حسن، تفصیل وسائل الشیعۃ إلی تحصیل مسائل الشریعۃ، مؤسسۃ آل البیت علیہم السلام - قم، چاپ: اول، ۱۴۰۹ق۔

۱۵. حسین بن محمد تقی نوری؛ مستدرکالوسائل، ماشر۔، مؤسسہ آل البیت، قم، ۱۴۰۸ق۔
۱۶. حسین کفشگر جلودار، نظامهای اقتصادی پژوہشکدہ باقرالعلوم، قم، ۱۳۹۳۔
۱۷. خلیل کمرہ ای، علی وزہراء سرچشمہ آب حیات، ناشر سید محمد رضا تناوش، تہران، نی تا۔
۱۸. خمینی، روح اللہ؛ صحیفہ نور، وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی، تہران، ۱۳۵۷۔
۱۹. دیلمی، حسن بن محمد، إرشاد القلوب إلی الصواب، الشریف الرضی- قم، چاپ: اول، ۱۴۱۲ق.
۲۰. راغب إصفہانی، حسین بن محمد، مفردات ألفاظ القرآن: ناشر: دار القلم- الدار الشامیۃ، بیروت، ۱۴۱۲ق۔
۲۱. سبط ابن جوزی، تذکرہ الخواص، مجمع جہانی اہل بیت، ایران، ۱۴۲۶۔
۲۲. سید اصغر ناظم زادہ، جلوہ ہای حکمت، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۷۔
۲۳. شعیری، محمد بن محمد، جامع الأخبار (للشعیری)، مطبعۃ حیدریۃ- نجف، چاپ: اول، بی تا.
۲۴. طباطبائی؛ محمد حسین؛ تفسیر المیزان، جامعہ مدرسین، قم۔
۲۵. طوسی؛ تہذیب الاحکام، دارالکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۵۔
۲۶. عبداللہ جوادی آملی، فلسفہ حقوق بشر، ناشر اسراء، ویراستار ابوالقاسم حسینی، قم، ۱۳۹۳۔
۲۷. علامہ ذیشان حیدر جوادی، ترجمہ نہج البلاغہ، ادارہ نشر و حفظ افکار علامہ جوادی، تنظیم المکاتب، ہندوستان، ۱۹۹۹۔
۲۸. علامہ محمد تقی جعفری، ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، دفتر نشر فرہنگ اسلامہ، تہران، ۱۳۹۸۔
۲۹. علیجانی، علی اکبر، توسعہ سیاسی از دیدگاہ امام علی (ع)، انتشارات، سازمان تبلیغات اسلامی، تہران، ۱۳۸۴۔
۳۰. عمید، حسین، فرہنگ عمید، انتشارات امیر کبیر، تہران، ۱۳۶۰ش.
۳۱. غلام رضا گلی زوارہ قمشہ ای، نشریہ پاسدار اسلام ۱۳۸۵ شمارہ ۲۹۷ تاریخ انتشار: پنج شنبہ ۱۳ اَسَد ۱۳۹۸۔
۳۲. فرامرز رفیع پور، توسعہ و تضاد، تحلیل انقلاب اسلامی و مسائل اجتماعی ایران، شرکت سہامی انتشار، ۱۴۰۰۔
۳۳. قمّی، صدوق، محمّد بن علی بن بابویہ- مترجم: غفاری، علی اکبر، من لایحضرہ الفقیہ، نشر صدوق، تہران، ۱۴۰۹ ق
۳۴. قمی، صدوق، الامالی، قسم الدراسات الاسلامیۃ، مؤسسۃ البعثۃ، ۱۴۱۷ھ۔

۳۵. کلینی، یعقوب؛ کافی وفروع کافی، دارالمکتبہ اسلامیہ، ۱۳۸۸ھ۔

۳۶. مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، مؤسسۃالوفاء بیروت - لبنان، ۱۴۰۴ہجری قمری۔

۳۷. مجلسی؛ محمد تقی؛ روضۃالمتقین؛ بنیاد فرہنگ اسلامی، نیشاپور۔

۳۸. محمد باقرالصدر اقتصاد ما، انتشارات دار الصدر، مترجم، سید محمد مہدی برہانی، ۱۳۹۸۔

۳۹. مرتضی مطہری، بررسی اجمالی مبانی اقتصاد اسلامی، نشر حکمت، تہران، ۱۳۹۳۔

۴۰. مکارم شیرازی؛ تفسیر نمونہ، ناشر: دار الکتب الإسلامیۃ: تہران سال: ۱۳۷۴ش.

۴۱. مہدی بناء رضوی، طرح تحلیلی اقتصاد اسلامی، استان قدس رضوی، ایران، ۱۳۶۷۔